الف

عمیرہ احمد

قسط نمبر ۹

''الف''

قسط نمبر 09

میرے اُستادِ محترم!

اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ سے مل کر آیا ہوں اور ابھی تک سحر زدہ پھر رہا ہوں۔ پیرس فیشن ویک میں شرکت کے لئے پیرس آیا ہوا ہوں اور شانزے لیزے پر دُنیا کی چکا چوند میں سے ہر شام گزرتے ہوئے آپ کو یاد کرتا ہوں۔ خوب صورت عورتوں کے ہجوم میں مہنگے ترین برانڈز کی یلغار میں دُنیا کی اس بھیڑ میں سکون صرف اُس تخلیق میں ہے جو آپ کرتے ہیں، وہاں ترکی کے اُس چھوٹے سے گھر کی خاموشی اور سکون شانزے لیزے کی اس چکا چوند پر بھاری پڑتی ہے۔ آپ کے پاس اُس گھر میں بیٹھ کر مجھے نہ پیرس یاد آتا تھا، نہ میلان مگر یہاں اس دُنیا میں گھومتے ہوئے آپ کی باتیں اور آپ کی خطاطی میرے ساتھ گھومتی ہے، میرا سایہ بن کر..... نہ میں کان بند کر سکتا ہوں نہ آنکھیں..... کر بھی لوں تو فرق نہیں پڑے گا، آپ تو کہیں دل اور دماغ کا حصہ بن گئے ہیں..... یا شاید روح کا..... بڑا غلط کیا آپ نے اِسے بیدار کر کے..... اب یہ اِس ہجوم کے بیچ میں رہنا نہیں چاہتی جہاں میں رہتا ہوں، مجھ سے اپنے جیسوں کی محبت مانگتی ہے..... وہ میں اِسے کہاں سے لا کر دوں عبدالعلی صاحب؟ میں تو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو جانتا ہی نہیں جس کے پاس یہ خوش ہو جائے اور اسے خوش کرنے کی تلاش میں نکلوں گا تو دُنیا چھوڑنی پڑے گی، وہ میں چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ اس ''دُنیا'' کو پانے کے لئے میں نے بہت محنت کی ہے۔ اس دُنیا کو پا کر کھو دینے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔ آپ تو مومن ہیں، آپ نے کبھی ''دُنیا'' کی تمنا کی ہی نہیں۔ وہ بار بار چل کر آپ کے پاس آئی بھی تو آپ نے اپنی روح کے دروازے بند رکھے۔ مگر آپ کبھی کسی ایسے کو جانتے ہیں جو دُنیا کو پا کر اُسے خود کھو دے؟ کوئی ایسا ملے تو مجھے ضرور ملوائیں اُس سے۔ ابراہیم کی مشکل شاید وہ ہی آسان کر دے۔

اس بار آپ کو دیکھ کر دل بڑا بوجھل ہوا، شاید اس لئے بھی زیادہ یاد آ رہے ہیں آپ..... آپ کو غمزدہ اور رنجیدہ دیکھ کر مجھے اپنے ماں باپ یاد آتے رہے، میں نے پہلی بار جانا میرے یورپ آ جانے اور پیچھے سارے رابطے ختم کر دینے کے بعد وہ کیسے تڑپتے ہوں گے۔ طٰہٰ تو مر گیا، مگر میں نے تو زندہ ہوتے ہوئے بھی اُنہیں ترسا دیا۔ پتہ نہیں کیا ہوا تھا عبدالعلی صاحب کہ یورپ آ کر پیچھے رہ گئے رشتوں کو بھول ہی گیا تھا میں..... گاؤں..... گھر..... ماں، باپ، بہن، بھائی..... سب..... آزاد پرندہ بن

کر جینا چاہتا تھا میں پر یہ یاد ہی نہیں رہا تھا مجھے کہ آزاد پرندہ اُڑتا آسمان میں ہے مگر گھونسلہ وہ بھی درخت پر ہی بناتا ہے جس کی جڑیں مٹّی میں ہوتی ہیں۔

آپ کے طٰہٰ کے لئے غم کو دیکھ کر مجھے اپنے ماں باپ نہیں بھول رہے۔ آپ ظالم نہیں تھے پر میں ظالم تھا۔ ظالم کو اپنے ظلم کا احساس ہو پر تب تک مظلوم نہ رہے تو پھر ظالم کیا کرے.....؟ میرے ماں باپ سالوں پہلے دُنیا سے چلے گئے اور مجھے احساسِ زیاں آج ہو رہا ہے.....اب اگر توبہ بھی کروں تو کس منہ سے کروں؟

میرا دل چاہتا ہے میں آپ سے آپ کا غم بانٹ لوں۔ کاش غم کوئی چیز ہوتا جو میں آپ سے لے کر کہیں دور پھینک آتا۔

میں نہیں جانتا آپ کا پچھتاوا کیا ہے جس کا ذکر بار بار کر کے آپ چُپ ہو جاتے تھے۔ مگر میں یہ بھی نہیں جانتا طٰہٰ آپ کے پاس کیوں واپس نہیں آیا مگر میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ اُس نے جو کیا کیوں کیا ہوگا..... پیار بہت کچھ بھلا دیتا ہے۔ رب سب سے پہلے.....ماں باپ اُس کے بعد.....دُنیا سب سے آخر میں.....میں گزرا ہوں اس راستے سے اس کے سب نشیب جانتا ہوں اور فراز تو اس راستے میں کہیں ہے ہی نہیں اس کا کیا ذکر کروں۔

طٰہٰ کی بدقسمتی بس اتنی کہ اُس کی قسمت میں شوبزنس کی عورت لکھی تھی۔ میں پاکستان کے شوبزنس کو نہیں جانتا۔ اٹلی اور یورپ کے شوبزنس کو جانتا ہوں۔ شوبزنس کی عورت میں حیا نہیں رہتی یہ اُس پیشے کی مجبوری ہے پر وفا کیوں نہیں ہوتی یہ وہ خود بھی نہیں جانتیں۔ طٰہٰ نیک روح تھا بھٹک گیا۔ شوبزنس بڑی ظالم دُنیا ہے اور اس دنیا سے جڑنے والے بھی۔ یہ سراب بن کر نظروں کو بہکاتا ہے اور تب تک بہکاتا ہی رہتا ہے جب تک انسان اندھا نہ ہو جائے۔ آپ کی بہو ایک بُری عورت تھی اس لئے آپ کے لئے آزمائش بن کر آئی۔ لیکن عبدالعلی صاحب یہ آزمائش آپ کی زندگی میں نہ آتی تو آپ کا مرتبہ کیسے بڑھتا۔ نیکوں کے راستے میں آزمائشیں آتی ہیں اور بُروں کے راستے میں مخمل۔ یہ آپ ہی نے کہا تھا نا مجھے؟

اُستادِ محترم آپ کی باتیں آپ ہی کو لکھتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہو رہا ہوں میں۔ پر کیا کروں آپ کو دلاسہ دینا چاہتا ہوں اور اُس کے لئے میرے پاس لفظوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

اگر میں کچھ کر سکتا ہوں آپ کے لئے تو مجھے حکم دیجئے۔ سیدابراہیم اُڑتا ہوا آئے گا۔ آپ کا بیٹا نہیں بن سکتا مگر آپ کا فرمانبردار ضرور ہو سکتا ہوں۔

سید ابراہیم

☆.....☆.....☆

وہ میز بہت سارے کاغذات سے بھرا ہوا تھا۔ اور اُن کاغذات میں کیا کیا تھا کوئی پہلی نظر میں جان بھی نہیں سکتا تھا۔ قلبِ مومن نے اُس میز پر ہمیشہ کھانا دیکھا تھا یا قہوہ یا پھر اخبار مگر اب اُن تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز دوبارہ اُس میز پر نہیں آنے والی تھی۔

وہ کتنے دن سے وہاں اُس گھر میں تعزیت کے لئے آنے والوں سے مل رہا تھا۔ وہ گنتی بھول گیا تھا۔ وہ کتنے دن سے وہاں آنے والی ڈاک بغیر کھولے اس میز پر ڈھیر کرتا جا رہا تھا اُسے یہ بھی یاد نہیں تھا۔ وہ غم میں نہیں تھا وہ حیرت میں بھی نہیں تھا وہ کس کیفیت میں تھا وہ یہ بوجھ نہیں پا رہا تھا۔ بے خبری کی وہ کون سی دُنیا تھی جس میں وہ اب تک جیتا آیا تھا وہ صرف یہ بوجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور کسی سوال کا کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

اُس نے آخری بار اُنہیں ICU میں دیکھا تھا اور اُس کے وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد اُن کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ اُس ہاسپٹل میں اُن کو اُن آخری چند گھنٹوں میں ملنے کے لئے آنے والا واحد شخص نہیں تھا۔ وہ ہاسپٹل اُس کے آنے سے پہلے عبدالعلی کے اُن شاگردوں سے بھرا ہوا تھا جو اُن کے ہاسپٹل میں ہونے کا سن کر پتہ نہیں کہاں کہاں سے آئے تھے اور قلبِ مومن کا عبدالعلی سے رشتہ جان کر اُس سے تعزیت کرنے لگے تھے۔ قلبِ مومن کا خیال تھا اُسے اب عبدالعلی کی تدفین کے انتظامات کرنے پڑیں گے۔ اُسے یہ بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ اُنہیں State Funeral دیا جا رہا تھا اور اس سب میں قلبِ مومن کی جیسے کوئی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔ وہ بیک گراؤنڈ میں چلا گیا تھا۔ ایک خاموش تماشائی کے طور پر..... یا شاید اچنبھے میں آ جانے والے تماشائی کے طور پر۔ اُنہیں اپنی زندگی میں قلبِ مومن کی ضرورت شاید رہی ہو۔ موت کے بعد نہیں رہی تھی۔ وہ مجمع جو اُنہیں دُنیا سے رخصت کرنے کے لئے آیا تھا وہ کہاں کہاں سے آ رہا تھا اور کیوں آ رہا تھا۔ قلبِ مومن ششدر تھا۔ وہ جانتا تھا عبدالعلی نامور خطاط تھے مگر وہ ناموری کتنی تھی قلبِ مومن نے اتنے سالوں میں یہ کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور اب جب وہ اُن کا مقام دیکھ رہا تھا تو وہ ششدر تھا۔

آدھی رات کو وہ اُس میز پر پڑے اُن لفافوں کو باری باری کھولنے لگا تھا۔ وہ مختلف ممالک

کے کلچر منسٹریز سے آئے ہوئے تعزیتی پیغامات تھے..... دُنیا کے بڑے بڑے آرٹ میوزیمز اور گیلریز سے آئے ہوئے تعزیتی خط..... عبدالعلی کا کام کہاں کہاں نہیں رکھا ہوا تھا اور وہ اُن کا اکلوتا پوتا اس سب سے بے خبر تھا۔ اُس گھر میں رات کے اس پہر عجیب سی خاموشی تھی اور اس خاموشی میں اگر کچھ تھا تو کاغذ کی آوازیں یا آتش دان میں چٹخنے والی لکڑیوں کی آوازیں۔

قلبِ مومن نے ہاتھ میں پکڑا وہ سرکاری خط میز پر رکھ دیا جس میں حکومت جاپان نے عبدالعلی کے لئے بعد از مرگ ایک سول ایوارڈ دینے کی اطلاع دی تھی۔ اُس خط میں اس سے پہلے دیئے جانے والے ایک اور ایوارڈ کا ذکر بھی تھا اور اس گھر میں قلبِ مومن نے کبھی کہیں ان ایوارڈز میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ اس گھر کی دیواروں پر مکمل اور نامکمل خطاطی کے نمونوں کے علاوہ کچھ اور تھا ہی نہیں۔ قلبِ مومن کے اپارٹمنٹ کے برعکس جو اُس نے ہر اُس ''ثبوت'' سے سجا رکھی تھیں جو دنیا نے اُسے اُس کی ناموری کے لئے دیئے تھے..... اشتہار کی طرح..... اور اُسی اپارٹمنٹ میں کھڑے ہو کر وہ عبدالعلی سے پوچھتا رہا تھا کہ اُنہیں اُن کے کام نے اتنے سالوں میں کیا دیا اور عبدالعلی بغیر گنوائے چپ کھڑے اُس کی باتیں سنتے رہے تھے۔ اور اب اُن کے جانے کے بعد اُن کے سامان میں قلبِ مومن وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جو دُنیا نے اُنہیں دیا تھا۔

وہ کتنے دنوں اور کتنی راتوں سے نہیں سویا تھا وہ جیسے گنتی بھول گیا تھا۔ اُسے عبدالعلی کے بارے میں سوچنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ رونے کا بھی نہیں۔ پچھتانے کا بھی نہیں، اور اب اتنے دنوں کے بعد رات کے اُس پہر میں وہ جیسے وہی سارے کام کر رہا تھا۔

''تو دادا یہ تھے آپ اور میں قلبِ مومن کبھی آپ کو جان ہی نہیں پایا..... یا آپ نے جاننے دیا ہی نہیں۔'' ایک کے بعد ایک لفافہ کھولتے اُن تعزیتی پیغامات پر نظر ڈالتے قلبِ مومن نے سن ذہن کے ساتھ سوچا تھا۔

''مجھے ساری دنیا جانتی ہے۔ آپ کو کون جانتا ہے۔ آپ نے زندگی کے اتنے سال جس کام کو دیئے اُس نے آپ کو کیا دیا.....؟ اور مجھے دیکھیں..... مجھے کون نہیں جانتا۔'' اُس نے دادا سے کہا تھا۔ Lourve میوزیم میں اُس ہفتے کو The Last Master of Mohaqqiq کے نام کیا گیا تھا۔ قلبِ مومن نے ہاتھ میں پکڑے اُس اطلاع نامہ کو بھی بے حد خاموشی کے ساتھ کاغذوں کے اُسی ڈھیر پر رکھ دی جنہیں کھولتے کھولتے اُس کے ہاتھ تھکنے لگے تھے۔

Lourve سے برٹش میوزیم، برٹش میوزیم سے یونائیٹڈ نیشنز کی جنرل اسمبلی..... عبدالعلی کا

کام ہر جگہ موجود تھا اور اب اُن کے کام کی تصاویر اخبارات کے اُس ڈھیر میں مختلف ہیڈنگز کے ساتھ تھیں جو اس گھر میں سالوں سے آتا تھا اور اتنے دنوں میں جمع ہوتے ہوتے ردّی کے ایک ڈھیر کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور اُس ردّی کے ڈھیر کو قلبِ مومن اب کھنگال رہا تھا۔ اُس شخص کے بارے میں جاننے کے لئے جن کو اُس نے ساری عمر جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ اُسے ترکی کے بہترین بورنڈنگ سکول میں پڑھانا کیسے افورڈ کر پائے تھے۔ اُسے امریکہ کی اُس مہنگی ترین یونیورسٹی میں کیسے پڑھاتے رہے تھے۔ قلبِ مومن کو آج اندازہ ہوا تھا۔ عبدالعلی کے لئے ''دنیا'' جمع کرنا اتنا آسان تھا..... چٹکی بجانے جتنا..... اور وہ پھر بھی اُس کی طرح اس پینٹ ہاؤس میں نہیں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی اُسی لکڑی کے چھوٹے سے گھر میں گزار دی تھی..... وہ سارے ایوارڈز جو اُنہیں دنیا بھر کی حکومتوں اور آرٹ ایسوسی ایشنز کی طرف سے ملتے رہے تھے وہ اسی گھر میں پڑے چند بکسوں میں تھے۔ دھول مٹی اور جالوں میں اٹے ہوئے..... یوں جیسے لینے والے نے اپنے اُن اعزازات کو کبھی کھول کر دیکھا تک بھی نہ ہو۔ وہ گھر زندگی میں پہلی بار قلبِ مومن کے لئے بھول بھلیاں بن گیا تھا..... وہاں پڑی ہر چیز عقل کو خیراں کرنے والی..... اور اُس گھر کا جانے والا مالک اُس کو سارے جواب دیتے ہوئے گونگا کر گیا تھا۔

وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ دیواروں پر لگی کیلی گرافیز کو اُس نے پہلی بار بغور دیکھنا شروع کیا۔

''اور میں قلبِ مومن ''عزت'' اور شہرت میں کبھی تمیز ہی نہیں کر سکا۔ نام اور ناموری کا فرق ہی نہیں پہچان سکا۔ کامیابی کا مفہوم نہیں سمجھ پایا۔''

اُن کیلی گرافیز کے سامنے سے گزرتے ہوئے اُس کو عبدالعلی کے جنازے کے مناظر نظر آنے لگے تھے۔ وہ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ تھے جو عبدالعلی کے لئے نکل آئے تھے اور قلبِ مومن اُس میں چیونٹی جیسا رہ گیا تھا۔ وہ نہ ہوتا تو بھی وہ دنیا سے اپنا آخری سفر اسی شان و شوکت سے کرتے۔

''اور وہ مجمع جو دادا کو آخری بار رخصت کرنے آیا تھا..... وہ لاکھوں کا مجمع کیا صرف انسانوں کا تھا..... یا پھر..... اللہ کی بھیجی ہوئی ہر مخلوق تھی۔ اُس میں جو عبدالعلی بن تراب کو آخری سلام پیش کرنے آئی تھی۔''

قلبِ مومن نے جیسے اپنے آپ سے پوچھا تھا۔ وہاں اب جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ دیوار پر لگے وہ خطاطی کے شاہکار۔ رات کے اس پہر جیسے عبدالعلی کی زندگی کی داستان قلبِ مومن کو سنانے میں مصروف تھے۔ ہر رنگ، ہر سٹروک پکار پکار کر کہہ رہا تھا..... میرا لکھنے والا اپنے عہدے بڑا

انسان تھا۔

وہ اب دوسرے کمرے میں پڑا وہ صندوق کھولنے لگا تھا جس کے اوپر پینٹنگ کے بہت سارے پرش اور رنگ پڑے رہتے تھے اور قلبِ مومن نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اُس کے اندر کیا ہوسکتا تھا۔مگر اب وہ اُسے کھول کر بیٹھا تھا۔

وہ سارے ایوارڈز اور اعزازات اُسی صندوق میں اور نیچے پڑے ہوئے تھے جن کا ذکر وہ کچھ دیر پہلے اُن اخبارات اور لیٹرز میں پڑھ رہا تھا۔

''اور میں سمجھتا تھا عبدالعلی بن تراب کو گھمنڈ ہے ایسے کام کا گھمنڈ جو بے مقصد ہے.....مگر عبدالعلی بن تراب نے تو اپنی ساری زندگی صرف اللہ کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنے میں صرف کردی تھی.....اپنی عظمت اور بڑائی بیان کرنے والی ہر شے تو چھپادی تھی انہوں نے۔'' اُس نے اس صندوق کو دوبارہ بند کردیا تھا۔

''وہ ٹھیک کہتے تھے انہوں نے ساری زندگی اللہ کی کبریائی بیان کی تھی۔ یہ کیسے ممکن تھا وہ اللہ کی نظر میں نہ رہتے۔'' بند صندوق کے ڈھکنے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے سوچا تھا۔

''اور میں ..... میں کون ہوں؟.....اللہ کی بڑائی بیان کرنے سے انکار کرنے والا عبدالعلی کے خاندان کا آخری فرد۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

خسارہ ہی خسارہ تھا جو وہ اتنے سالوں میں جمع کرتا رہا تھا۔اُس کے سارے اثاثے اپنے مالک سمیت پل بھر میں بے مول ہوگئے تھے اُس گھر میں پڑی چیزوں کے سامنے۔

''ہم سمجھتے ہیں جن چیزوں کو ہم خرید لیتے ہیں، حاصل کر لیتے ہیں ہم اُن کے مالک بن جاتے ہیں۔ہم اُن کے مالک نہیں بنتے اُن کے غلام بنتے ہیں۔ وہ چیزیں ہماری مالک بن جاتی ہیں۔ اُن کی زندگیاں ہمارے گرد نہیں گھومتیں ہماری زندگیاں اُن کے گرد گھومنے لگتی ہیں۔'' عبدالعلی نے ایک بار کہا تھا اور اُسے سمجھ نہیں آئی تھی ہمیشہ کی طرح۔اُسے عبدالعلی کی زندگی کی فلاسفی کبھی بھی سمجھ نہیں آتی تھی۔ اور اُس کا خیال تھا اُسے سمجھنے کی کوشش کرنی بھی نہیں چاہیے۔ وہ اُنہیں ایک ''ناکام'' انسان سمجھتا رہا تھا کیونکہ اُس کا خیال تھا اُن کا کام اگر ان کے لئے دنیا کی آسائشات کا ڈھیر نہیں لگا سکتا تو وہ کام ''اچھا'' کام نہیں۔ وہ انسان ''کامیاب'' انسان نہیں۔ اور اب اُن کے جانے کے بعد کئی راتوں کو اسی طرح جاگتے ہوئے وہ اس ''ناکام'' انسان کی کامیابی کو ناپنے کی کوششوں میں بے حال ہوا جارہا تھا۔عبدالعلی دین اور دنیا کو ساتھ لے کر جئے تھے مگر دُنیا کو اپنے اوپر حاوی کئے بغیر۔ وہ قلبِ مومن صرف دُنیا سمیٹے بیٹھا

تھا اور دُنیا اب آکٹوپس کی طرح اُسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھی۔ وہ نکلنا چاہتا تھا اور نکل نہیں پا رہا تھا۔ وہ بھاگنا چاہتا تھا اور اُس کی ٹانگیں شل تھیں۔ اور قلبِ مومن کو کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ زندگی میں بڑے ''صحیح'' وقت پر سارے پردے اُس کی نظروں کے سامنے سے ہٹے تھے مگر بڑے غلط وقت پر اُسے اپنی زندگی کے بارے میں دوبارہ سے سوچنا پڑ گیا تھا۔

اُسے اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں لگی ہوئی عبدالعلی کی وہ پینٹنگ یاد آئی جو انہوں نے اُسے فلم میکنگ کو کیریئر بنانے کا فیصلہ کرنے پر اُس سال اُسے اُس کی سالگرہ پر دی تھی۔

اھدنا الصراط مستقیم

مجھے سیدھا راستہ دکھا

وہ سیدھا راستہ جو نہ GPS دکھا سکتا ہے نہ عقل وہ راستہ جو دل کی گلیوں سے گزر کر روح تک پہنچتا ہے اور صرف ایمان کی روشنی میں نظر آتا ہے۔ قلبِ مومن اب ایمان کہاں سے لاتا۔

وہ اُس رات عبدالعلی کے گھر میں بے مقصد پھرتا رہا تھا۔ ایک ایک کمرے کے سو سو چکر کاٹتے ہوئے.....اندر باہر.....اندر باہر..... پتہ نہیں کیا تھا جو گم ہوا تھا..... پتہ نہیں کیا تھا جو ڈھونڈنا تھا۔

☆.....☆.....☆

''مومنہ سلطانہ جنوبی ایشیا کی وہ پہلی ایکٹریس بن گئی ہیں جنہوں نے سپورٹنگ ایکٹریس کے رول کے لئے آسکر ایوارڈ جیتا ہے۔ آپ کے کیا تاثرات ہیں؟'' ریڈ کارپٹ پر شیلی سے انٹرویور نے پوچھا تھا۔ وہ ایک ایوارڈ شو میں سٹرکٹ کے لئے وہاں موجود تھی مگر ایوارڈ شو سے پہلے ہونے والا وہ ریڈ کارپٹ پچھلے ویک اینڈ پر مومنہ سلطان کی اُس جیت سے شروع ہو کر بار بار اُسی پر ختم ہو رہا تھا۔ جو غیر متوقع تھی نا قابل یقین تھی مگر اس وقت پورے پاکستان کے لئے وہ بے پناہ خوشی اور فخر کا باعث بنی ہوئی تھی۔

پاکستانی میڈیا پچھلے کچھ مہینوں سے اُس کی آسکر کے لئے نامزدگی کو بھی اسی طرح کوریج دیتا آ رہا تھا جیسے وہ صرف نامزد ہونے پر ہی جیت گئی ہو اور اُس کا سفر بس اتنا ہی تھا۔ مگر وہ نامزد ہونے کے بعد آسکر جیت بھی جائے گی اس کا یقین کسی کو ابھی تک نہیں آ رہا تھا۔ وہ پاکستان شوبز انڈسٹری کے بڑے اور یادگار لمحوں میں سے ایک تھا اور اب اگر اُس کی گونج بار بار سنائی دے رہی تھی تو یہ کسی کے لئے بھی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔

شیلی نے اپنی پلکیں بے حد مصنوعی انداز میں جھپکائیں۔ اپنے گاؤن کو سیدھا کرتے ہوئے

اُس نے انٹرویور کی بجائے کیرہ کو دیکھتے ہوئے بے حد جذباتی انداز میں کہا۔

''I am so proud of her.''..... میں نے خاص طور پر اکیڈمی ایوارڈ شو کی اس تقریب کو مومنہ سلطان کے لئے لائیو دیکھا تھا اور جب اُس کا نام ونر کے طور پر پکارا گیا تو میں نے اتنی چیخیں ماریں خوشی میں کہ اتنی چیخیں تو مومنہ سلطان نے بھی نہیں ماری ہوں گی۔''شیلی بے حد جذباتی انداز میں بات کرتی جا رہی تھی۔

''میں بتا نہیں سکتی اپنی فیلنگز۔'' اُس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔انٹرویور نے اُس کی بات کو درمیان سے کاٹتے ہوئے بے حد غیر جذباتی انداز میں اگلا سوال کیا۔

''آج کس ڈیزائنر کو پہنا ہوا ہے آپ نے؟''شیلی یک دم گڑبڑائی تھی ابھی تو اُس نے جذباتی انداز میں اپنی آنکھوں میں آنے والے وہ آنسو بھی صاف کرنے تھے جو اُمڈ ہی نہیں رہے تھے تبھی اُس کے ریڈ کارپٹ پر مومنہ سلطان کے بارے میں دیئے گئے comments کو جھلکیوں میں جگہ ملتی۔

''میں.....؟.....ہاں یہ HSY ہے.....as always۔'' اُس نے لمحہ بھر لگایا تھا جذباتی سے غیر جذباتی ہونے میں اور اب وہ اپنا گاؤن جھٹک کر دکھا رہی تھی۔کسی دوسرے کی کامیابی کے بارے میں بات کرنے سے زیادہ تکلیف دہ کام دنیا میں نہیں ہوتا اور وہ بھی اپنے شوبز کے ساتھیوں کے بارے میں.....شیلی نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔مومنہ سلطان پر حسد اور رشک وہ کر چکی تھی اب اُسے اُس سے موازنے اور مقابلے کا مسئلہ تھا۔

''آپ کی اگلی فلم قلبِ مومن کے ساتھ تھی.....وہ کب شروع ہو رہی ہے؟''انٹرویور گاؤن کو سراہنے کے بعد سیدھا اُس کی دکھتی رگ پر آیا تھا.....قلبِ مومن کی spiritual فلم جواب فلم انڈسٹری میں قلبِ مومن کی نفسیاتی فلم کے طور پر مشہور تھی۔

''ہاں.....وہ.....بہت جلد.....update دوں گی جلدی۔'' شیلی نے مسکراہٹوں کے جلوے بکھیرتے ہوئے جیسے اپنی عزت بچائی اور دل ہی دل میں قلبِ مومن کو چار گالیاں اور دیں۔وہ اتنے مہینوں سے گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا اور وہ اُسے فلم کی dates دے کر پھنس گئی تھی اور دنیا مومنہ سلطان کا طواف کرنے میں مشغول تھی۔

☆.....☆.....☆

''اس وقت ہم مومنہ سلطان کے پرانے گھر کے سامنے کھڑے ہیں اور یہ وہ علاقہ ہے جہاں مومنہ سلطان نے اپنی زندگی کا ایک بڑا وقت گزارا اور یہاں پر لوگوں کی خوشی دیدنی ہے۔ہم اُن

کے ایک ہمسائے سے ابھی ابھی بات کر کے ہٹے ہیں اور اب ہم اُن کے علاقے کے ایک اور ساتھی سے آپ کی ملاقات کرواتے ہیں اور اُن کے تاثرات آپ کو سنواتے ہیں۔''

نیوز رپورٹر خوشی اور پسینے دونوں سے بے حال تھا اور گلی میں اُس کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا جو ہر قیمت پر کیمرہ کے فریم میں آنے کی کوشش کر رہے تھے اور نیوز رپورٹر اب جھومر سے بات کرنے لگا تھا۔

''میں تو جی اُس دن سے ناچ رہی ہوں جس دن سے ایوارڈ ملا ہے.....رُک ہی نہیں رہی جی میں..... مجھے تو ہمیشہ سے پتہ تھا کہ مومنہ باجی نے کوئی بڑا ہی کام کرنا ہے۔ میں تو کہتی رہتی تھی اُنہیں۔'' جھومر نے شاید اور بھی کچھ کہنا چاہا تھا مگر نیوز رپورٹر نے مداخلت کرتے ہوئے اُس کی بات بیچ میں کاٹی تھی اور واپس سٹوڈیو چلنے کا اعلان کیا تھا۔

LED پر اب وہ نیوز کاسٹر آنے لگی تھی جو سٹوڈیو میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''ابھی آپ نے سپیشل رپورٹ دیکھی ہے مومنہ سلطان کے آسکر کی جیت کے بعد عوام کا ردعمل اور اُن کے اپنے نئے اور پرانے علاقے کے رہائشیوں کے اُن کی اس جیت پر تاثرات.....ہم آپ کو یہاں یہ بتاتے چلیں کہ مومنہ سلطان پچھلی رات پاکستان واپس آ چکی ہے اور ہمارے چینل نے ہی اُن کی واپسی پر ائیر پورٹ پر سب سے پہلے اُن سے بات کی تھی۔ اُن کے ساتھ تفصیلی انٹرویو کل شام 7 بجے نشر کیا جائے گا۔ کل مومنہ سلطان وزیراعظم پاکستان کی دعوت پر اُن سے ملنے کے لئے وزیراعظم ہاؤس جائیں گی اور اُس کے بعد پرسوں ایوانِ صدر، ہمارا چینل اُن کے اگلے دو تین دن کی تمام مصروفیات کی کوریج آپ کے سامنے اسی طرح وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہے گا۔''

نیوز کاسٹر بولتی جا رہی تھی اور اُس کی گفتگو کے دوران چلنے والے نیوز tickers میں مومنہ سلطان کے اکیڈمی ایوارڈ جیتنے کی خبر بار بار دہرائی جا رہی تھی اور اُس کے ساتھ مومنہ کے ایوارڈ کے ساتھ پاکستان لوٹنے کی خبر بھی۔ اُس کے ایوارڈ جیتنے کی فوٹیج اس وقت بیک وقت بہت سے چینلز پر دو دن پرانی خبر ہونے کے باوجود بار بار چلائی جا رہی تھی۔ وہ rating لانے والی خبر تھی وہ کیسے اُسے بار بار چلانا چھوڑ دیتے۔

مومنہ سلطان کے لاؤنج میں اُس LED کے سامنے بیٹھے سلطان اور ثریا جیسے پلکیں جھپکائے بغیر چپ چاپ اُس چینل پر آنے والی وہ خبریں اور نیوز رپورٹ دیکھ اور سن رہے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً چینل بدل بدل کر ہر چینل پر مومنہ اور اُس کی جیت کے حوالے سے آنے والی ہر خبر کو اس طرح دیکھتے اور سنتے جیسے وہ پہلی بار سُن رہے ہوں۔ یہ اُن کی زندگی کے سب سے شاندار اور یادگار لمحے تھے۔ وہ جیسے

rewind کر کر کے اُن لمحوں کو گزر جانے سے روک رہے تھے۔ جتنی مبارکبادیں انہوں نے وصول کرنی تھیں پچھلے دو دن میں وصول کر لی تھیں۔ اب اُن دونوں کے فون خاموش تھے۔ اس گھر کی طرح جہاں اب وہ پچھلے کئی مہینوں سے رہ رہے تھے۔

زندگی میں آسکر شاید وہ آخری چیز بھی نہ ہوتی جس کو مومنہ کا نصیب بنتے دیکھنے کا خواب وہ دیکھتے مگر وہ اعزاز کسی خواہش کسی دعا کسی خواب کے بغیر ہی مومنہ سلطان کی جھولی میں آن گرا تھا۔ اور سلطان اور ثریا کو خوش ہونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ فخر کرنا تو اُس کے بعد کی بات تھی۔

وہ لاؤنج جہاں اس وقت وہ بیٹھے LED پر خبریں دیکھ رہے تھے وہ پھولوں کے گلدستوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں پھولوں کے چھوٹے بڑے گلدستوں کا انبار تھا اور گلدستوں کا یہ سیلاب پچھلے چند دنوں سے فی الحال تھم نہیں رہا تھا اور ہر بار جب ملازم کوئی گلدستہ اندر لے کر آتا۔ سلطان اور ثریا بچوں کی طرح خوش ہوتے۔ یوں جیسے وہ گلدستہ اُن ہی کے لئے آیا ہو۔ اُس گھر کے ہر کمرے میں اس وقت پھول ہی پھول رکھے ہوئے تھے اور سلطان اور ثریا جیسے اُن کی نگہبانی کر رہے تھے۔ وہ آتے جاتے کسی نہ کسی گلدستے کی پوزیشن یا جگہ بدلتے رہتے۔

''میری مومنہ کا نصیب بڑا اونچا ہے۔ یاد ہے نا میں ہمیشہ تجھے کہتا تھا۔'' سلطان نے بالآخر اُس نیوز بلیٹن کے خاتمے پر وہ جملہ دہرایا جو وہ پچھلے چند دنوں میں کئی بار دہرا چکا تھا اور ثریا نے ہمیشہ کی طرح اسی طرح سنا جس طرح پہلی بار سنا تھا اور سن کر ہنس پڑی تھی۔ یوں جیسے اپنی ہنسی سے سلطان کے جملے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہو۔

''مومنہ واقعی نصیب والی ہے۔'' وہ بڑبڑائی تھی عجیب سی کیفیت میں۔

''یاد ہے نا اُس کے بعد جہانگیر ہوا تھا۔'' اُس نے سلطان کو اس کی خوش قسمتی کا ایک اور ثبوت پیش کیا۔

''ہاں چار سال بعد۔'' سلطان نے بے ساختہ کہا اور چینل بدلا۔ وہ آسکر بھی ان کے دلوں اور ذہنوں سے جہانگیر کو کھرچ نہیں سکا تھا۔

ثریا کے فون کی گھنٹی نے یک دم جیسے اُس کی یادوں پر بند باندھا۔ وہ اقصیٰ کا فون تھا۔

''یہ مومنہ کہاں ہے آنٹی..... میں کب سے فون کر رہی ہوں اُسے فون بند کر کے بیٹھی ہوئی ہے اور یہاں میرے پیچھے میڈیا والے لگے ہوئے ہیں اور میں اُنہیں روک روک کر پاگل ہو رہی ہوں۔ اب اگر آپ کے گھر کی بیل بجنا شروع ہو تو پھر مجھے مت کہیے گا۔'' اقصیٰ نے فون پر ثریا کی آواز سنتے ہی

مشین کی طرح بولنا شروع کر دیا تھا اور اُس نے ثریا کو کوئی جواب دینے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔

''سو رہی ہے شاید پر میں دیکھ کر آتی ہوں تجھے پتہ تو ہے لمبی فلائٹ سے آئی ہے تھکی ہوئی ہوگی۔ ورنہ غیر ذمہ دار تو نہیں ہے وہ۔'' ثریا کچھ بڑبڑا کر اُس کی صفائیاں دیتی ہوئی فون لئے مومنہ کے کمرے کی طرف آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن لاکڈ نہیں تھا۔

''مومنہ.....مومنہ.....'' ثریا اُسے پکارتے ہوئے فون لئے دروازہ کھول کر اندر آ گئی تھی۔

وہ کمرے کے ایک کونے میں زمین پر Rug پر بیٹھی اپنی گود میں قرآن پاک رکھے اُسے پڑھنے میں مصروف تھی۔ کمرے میں روشنی صرف اُسی ایک کونے میں تھی جہاں وہ بیٹھ کر قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔ ثریا کی آواز پر اُس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا تھا۔

'بیٹا اقصیٰ کا فون ہے کب سے تمہیں فون کر رہی ہے تم نے نمبر بند کیا ہوا ہے۔ اُس سے بات کر لو۔'' ثریا نے اُس سے کہا۔

''اماں میں تھوڑی دیر میں کرتی ہوں اُسے فون۔ آپ بتا دیں اُسے۔'' اُس نے قرآن پاک بند کرتے ہوئے ثریا سے کہا تھا۔ ثریا فون پر اقصیٰ سے بات کرتے ہوئے کمرے کا دروازہ بند کر کے چلی گئی تھی۔

اُس کمرے کی خاموشی چند لمحوں کے لئے غائب تھی اور اب پھر واپس لوٹ آئی تھی۔ مومنہ سلطان نے ہاتھ میں پکڑے اُس قرآن پاک کو تعظیماً ماتھے سے لگاتے ہوئے بند کیا تھا۔ وہ وہی نسخہ تھا جو عبدالعلی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور جو ماسٹر ابراہیم نے اُسے تحفے کے طور پر دیا تھا۔ وہ جب بھی اُسے کھولتی تھی پوری دُنیا کی بھاگ دوڑ جیسے روک دیا کرتی تھی۔ وہ خاموشی اور سکون میں بیٹھ کر اُس کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے اندر جھانکتی رہتی تھی.....سوچنے کے لئے صرف اُس کے پاس اُتنا ہی وقت ہوتا تھا۔ اب باقی صرف روٹین تھی جو اُس قرآن پاک کے بند ہوتے ہی دوبارہ شروع ہو جاتی تھی۔ اُس کا ایک ایک منٹ اور گھنٹہ اب میکانیکی تھا.....Scheduled.....Planned.....

قرآن پاک بند کر کے بھی وہ اُسی طرح کچھ دیر آلتی پالتی مارے بیٹھی کمرے کے نیم اندھیرے میں جگہ جگہ رکھے پھولوں کے گلدستے دیکھتی رہی۔ جن کی خوشبوئیں ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی تھیں اور جن پر اُن کے بھیجنے والوں کے نام کے کارڈز لگے ہوئے تھے۔ ثریا نے اُس کے کمرے میں گلدستے رکھتے ہوئے صرف اُن کی خوبصورتی دیکھی تھی بھیجنے والے کا نام نہیں دیکھا تھا۔ اور نام مومنہ نے بھی نہیں دیکھے تھے۔ اُس نے اب قرآن پاک سامنے پڑی چھوٹی میز پر رکھ دیا تھا۔ گھٹنے سکیڑ کر اُن

کے گرد بازو لپیٹے وہ اسی طرح خاموش بیٹھی اپنے پھولوں سے بھرے ہوئے کمرے کو دیکھتی رہی۔ وہ عروج کے دن تھے اور وہ اور وہ عروج سے پہلے زوال سے گزر کر آئی تھی..... عروج پر اعتبار کرتی تو کیسے کرتی۔

''This too shall pass.(یہ وقت بھی گزر جائے گا)۔'' وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اُن سب پھولوں کو دیکھ کر بڑبڑائی تھی۔

اُسی کمرے میں بہت سارے پھولوں کے درمیان آسکر کی وہ ٹرافی بھی رکھی تھی جس پر کھڑا سنہری مجسمہ اُس کے کمرے کی دھندلی روشنی میں بھی چمک رہا تھا۔

''آپا تم نے بہت بڑا سٹار بن جاتا ہے..... بتا رہا ہوں میں تمہیں..... ہالی ووڈ میں کام کروگی پھر آسکر لینے جاؤ گی..... پھر speech کرنا اور میرا Thank you کرنا کہ اگر جہانگیر نہ ہوتا تو۔''

اس کے کانوں میں جہانگیر کی آواز گونجی تھی۔ وہ جانے سے پہلے جیسے اُسے اُس کی قسمت کا حال بتا کر گیا تھا۔ اور مومنہ نے آسکر ایوارڈ لیتے ہوئے جہانگیر کو وہ ایوارڈ dedicate کیا تھا بالکل ان ہی الفاظ میں اُس کا شکریہ ادا کیا تھا جن میں اُس نے کہا تھا۔

''جہانگیر نہ ہوتا تو مومنہ سلطان آج یہ ایوارڈ لئے یہاں کھڑی نہ ہوتی۔ اُس کے ہونے نے مجھے ایک اداکارہ بنایا۔ اُس کے نہ ہونے نے ایک ستارہ..... وہ کہیں آسمان میں آج یہ ٹرافی تھامے مجھے دیکھ رہا ہوگا اور منتظر ہوگا کہ میں اُس کا نام لوں اور شکریہ ادا کروں تو جہانگیر تمہارا بہت بہت شکریہ تم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔''

اُس کے کانوں میں اپنی بھرائی ہوئی آواز اور گونجتی ہوئی تالیوں میں جہانگیر کے لئے کہے ہوئے لفظ اس خاموشی میں بھی بازگشت کی طرح گونجنے لگے تھے۔ وہ پچھلی رات پاکستان آئی تھی اور آنے کے بعد سب سے پہلے جہانگیر کی قبر پر گئی تھی۔ اُسے آسکر دکھانے یوں جیسے اُس آسکر کو حاصل کرنے کا سارا مقصد ہی یہ تھا۔

میز پر پڑا فون اُٹھا کر اُس نے اُس کی سکرین دیکھی۔ وہ airplane موڈ میں تھا اور بے حد شانت تھا نہ وہاں کوئی پیغام تھا نہ کوئی missed call نہ کوئی آنے والی کال نہ کوئی upcoming meeting کا reminder..... اور اب وہ اُسے on کرتی تو یک دم بار بار اُسے اپنا سانس بحال کرنے کی جدوجہد کرنی پڑتی تھی..... نام کے لئے.....؟..... ناموری کے لئے.....؟..... شہرت کے لئے.....؟ کامیابی کے لئے.....؟ رزق کے لئے.....؟ یہ سب اب تھا اُس کے پاس ان میں سے کسی چیز

کے لئے بھاگنا نہیں پڑ رہا تھا اُسے۔مگر اس کے آگے کیا تھا اور اس سب کے بعد کیا تھا یہ وہاں بیٹھے ہوئے اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''What is next to ecstacy?'' اُس نے ''پیرِ کامل ﷺ'' میں ایک جگہ پڑھا تھا اور اب وہ خود سے وہی سوال کر رہی تھی۔

''کامیابی کے بعد کیا.....؟ اُس سے بڑھ کر اور کیا؟''

☆.....☆.....☆

''یار کوئی اس طرح تھوڑی کرتا ہے جس طرح مومن بھائی نے کیا ہے۔ٹھیک ہے دادا کی ڈیتھ ہوگئی لیکن مہینوں غائب ہو جاؤ.....نہ message کا جواب دو نہ فون اُٹھاؤ نہ ای میل کھولو اگلا خوار ہو جائے۔'' داؤد اُس شام بُری طرح تپا ہوا تھا۔

وہ مومن کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا اور یہ اُس کی اور ٹینا کی روز کی روٹین تھی وہ بے مقصد وہاں بیٹھے رہتے تھے۔کام کرنے کے لئے نہیں تھا اور جو بھی تھا وہ pending پر چلا گیا تھا کیونکہ مومن یہاں نہیں تھا، اور اُس کے بغیر کمپنی کا کوئی کام نہیں ہوسکتا تھا۔وہ دونوں کمپنی کے باقی لوگوں کی طرح ہر روز آتے اور بیٹھ کر قلبِ مومن کے نمبرز پر کالز اور ای میل ایڈریس پر میسجز کرتے رہتے اور پھر تھک ہار کر اُٹھ جاتے۔وہ ترکی میں تھا مگر کس حالت میں تھا وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے۔مگر وہ اب تنگ آ چکے تھے۔

''بغیر pay کے اتنے مہینوں سے بیٹھے ہیں اور مومن بھائی کو احساس تک نہیں ہے۔'' داؤد واقعی بُری طرح بگڑا ہوا تھا۔

''میں نے تو اب پہلی فرصت میں کوئی بھی کمپنی جوائن کر لینی ہے۔جہاں سے بھی مجھے لیٹر آ گیا۔'' ٹینا نے جیسے اعلان کیا تھا۔

''اور میری تو قسمت خراب ہے جہاں اپلائی کر رہا ہوں آگے سے کوئی جواب ہی نہیں ملتا۔'' داؤد نے جیسے اپنا المیہ دہرایا۔اس سے پہلے کہ ٹینا کچھ کہتی دروازہ کھول کر ایک شخص اندر آیا تھا اور پہلی نظر میں ٹینا اور داؤد نے اُسے پہچانا ہی نہیں تھا.....وہ قلبِ مومن تھا۔آنکھوں کے گرد حلقوں، بڑھی ہوئی شیو، بے ترتیب بالوں کے ساتھ.....وہ دونوں بے اختیار اپنی اپنی کرسیوں سے اُٹھ کر کھڑے ہوئے تھے۔

''مومن بھائی.....What a surprise.....آپ کب آئے؟'' داؤد نے بے اختیار لپک کر اُس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے..... ائیر پورٹ سے سیدھا آفس ہی آیا ہوں..... یہ سکرپٹ دینے.....کل اس پر میٹنگ کروں گا تم لوگوں کے ساتھ.....فی الحال گھر جا رہا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اُن کے میز پر ایک سکرپٹ رکھتا ہوا رُکے بغیر اور اُن کی کوئی بات سنے بغیر چلا گیا تھا۔

داؤد نے میز پر پڑا ہوا وہ سکرپٹ اُٹھایا۔اُس کے پہلے صفحے پر لکھا تھا۔

''Alif A Story and Film by Qalb e Momin.''

''یہ ترکی میں بیٹھ کر یہ کرتے رہے ہیں؟'' اُس نے جیسے بے یقینی کے عالم میں اُس سکرپٹ کے صفحے اُلٹتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا سوال یہ ہے کہ اس سکرپٹ کو پڑھے گا کون؟'' ٹینا نے اُس کی بات کے جواب میں اُتنی ہی سنجیدگی سے کہا۔

''دونوں کو ہی پڑھنا ہوگا.....اگر میٹنگ ہے تو ظاہر ہے پوچھیں گے وہ کہانی کے بارے میں۔'' داؤد نے کہا۔

''تم پڑھ کر سنا دینا مجھے کہانی.....میں اپنی رات اسے پڑھنے میں ضائع نہیں کر سکتی..... میرا motivation level اس وقت بہت low ہے ویسے ہی۔'' ٹینا نے اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اپنے بیگ میں ڈالیں، وہ آفس سے نکلنے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

اُس کا اپارٹمنٹ ویسے کا ویسا ہی تھا۔ وہاں شکور اُس کا استقبال کرنے کو نہیں تھا۔شاید وہ چھٹی پر چلا گیا ہوگا۔مومن نے اپنے پاس موجود کی کارڈ کا استعمال کرتے ہوئے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول لیا تھا۔10-9 بجے بھی اُس کا اپارٹمنٹ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔اُس نے باری باری لائٹس آن کرنا شروع کیں۔اپارٹمنٹ صاف تھا یعنی شکور چھٹی پر نہیں گیا تھا اور اگر گیا بھی تھا تو اُسے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔کچھ لمحوں کے لئے اُس گھر میں کھڑے کھڑے مومن کو اپنا آپ وہاں بے حد غیر لگا یوں جیسے وہ کسی غلط جگہ آ گیا تھا ایک بار پھر سے.....کعبہ سے پھر سے بُت کدہ میں اور اُس بُت کدہ میں بُتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا.....جگہ جگہ.....اور ویسے ہی بہت سارے بُت اُس کے اندر بھی تھے جنہیں وہ توڑ کر آیا تھا تو اب باہر پڑے ''بُت''، ''بُت'' لگنے لگے تھے.....خدا نہیں۔

اور اُس بُت کدہ کے بیچوں بیچ چلتے چلتے وہ ایک بار پھر اُس پینٹنگ کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔جس پر اھدنا الصراط المستقیم کی آیات جگمگا رہی تھیں۔

قلبِ مومن چلتے ہوئے اُس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جیسے اندھیرے سے روشنی میں آ کر کھڑا ہوا تھا۔

''میرے مومن کو سیدھا راستہ دکھا۔ وہ راستہ جس پر فلاح ہے نہ کہ وہ راستہ جس پر صرف کامیابی ہے۔''

اُس کے کانوں میں دادا کی آواز گونجی تھی اور اُس کی آنکھوں میں پانی اُمڈا تھا یہ پانی پتہ نہیں دل کی کون سی نرم مٹی سے پھوٹنے لگا تھا۔ وہ تو رویا نہیں کرتا تھا۔ آنسو بہانا تو قلبِ مومن کا شیوہ ہی نہیں تھا اور اظہارِ ندامت کرنا اُس کی ڈکشنری میں جرم تھا۔ پر اُس پینٹنگ کے سامنے کھڑا قلبِ مومن اپنا دل ٹٹول رہا تھا اور جیسے اُس روح میں جان پھونکنے کی کوشش کر رہا تھا جو اُس کے اندر تھی مگر بے جان تھی۔

☆.....☆.....☆

''میں نہیں مانتی یہ سکرپٹ مومن نے لکھا ہے۔ وہ یہ لکھ ہی نہیں سکتا۔''

ٹینا دوسرے دن اپنے آفس میں بیٹھے وہ سکرپٹ کھولے بیٹھی رو رہی تھی اور ٹشو سے اپنی ناک اور آنکھیں رگڑتے ہوئے اُس نے سامنے بیٹھے داؤد سے کہا تھا۔ جو پچھلی رات یہ سکرپٹ پڑھ آیا تھا اور اُس نے صبح سویرے سرخ آنکھوں کے ساتھ آفس میں ٹینا کو وہ سکرپٹ دیتے ہوئے کہا تھا۔

''You must read it. پاگل ہو گیا ہوں میں رات کو۔'' اُس نے ٹینا سے کہا تھا اور ٹینا کو لگا وہ مذاق کر رہا تھا یا شاید اُس سکرپٹ کا مذاق اڑا رہا تھا۔ مگر دو گھنٹے بعد اب وہ اُس سکرپٹ کو لئے سکتے کے عالم میں بیٹھی تھی۔

''مجھے بھی یقین نہیں آ رہا کہ یہ اُنہوں نے ہی لکھا ہے مگر وہ اگر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ انہوں نے لکھا ہے تو جھوٹ تو نہیں بولا ہوگا۔'' داؤد نے اُس کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

''کس کی کہانی لکھی ہے مومن نے؟.....ایک ایک صفحے پر مجھے لگتا ہے جیسے یہ کسی کی کہانی ہے جیسے یہ سب کسی پر گزر رہا ہے۔'' ٹینا اب ایک صفحہ پر لکھی ہوئی لائنز پڑھ رہی تھی اور سر دُھن رہی تھی۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ یہ سچی کہانی ہے۔ ہوسکتا ہے کسی فلم سے انسپائرڈ ہو یا کسی ناول سے۔'' داؤد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''بالکل یہی بات ہے.....بالکل انسپائرڈ ہے یہ.....مومن کتابیں بھی تو بہت پڑھتا ہے اور فلمز تو سارے زمانے کی دیکھتا ہے۔ مجھے پکا یقین ہے کہیں سے چرائی ہے کہانی یا ملا کر بنائی ہے مگر جو بھی ہے کمال ہے.....شاندار ہے۔'' ٹینا کہتے ہوئے سکرپٹ کے صفحات کو پھر پلٹتی جا رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے

پسندیدہ سینز اور لائنز کو انڈر لائن کرتی اور پھر بلند آواز میں داؤد کو سنانے لگتی اور وہ جواباً اُسے اگلی لائنز سناتا۔ وہ سکرپٹ پہلی ریڈنگ میں ہی اُنہیں جیسے رٹ گیا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے عالیہ کا کردار کس کو کرنا چاہیے؟'' ٹینا نے یک دم اُس سے کہا۔ اُس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔ اُس نے داؤد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے سوال نہیں کیا تھا اُس کی رائے لی تھی۔

''وہ نہیں کرے گی۔'' داؤد نے اُس ایکٹریس کا نام جیسے پہیلی کی طرح بوجھا تھا۔ جو ٹینا کے ذہن میں آئی تھی۔

''تمہیں بھی اُسی کا خیال آیا تھا نا؟'' ٹینا نے بھی اُس کے جواب کو بغیر جواب سنے جانا تھا۔ وہ ایکسائیٹڈ ہوئی تھی۔

''ہاں..... مگر مومن بھائی نے شیلی کو کاسٹ کرنے کا کہا ہے اور شیلی ہی سے بات کرنی ہے ہمیں۔'' داؤد نے دوٹوک انداز میں اس بار اُس کی ایکسائٹمنٹ ختم کی تھی۔

☆.....☆.....☆

''دادا جی بڑے نیک انسان بڑی نیک روح تھے..... مجھے تو پتہ تھا ہمیشہ سے..... نیکوں کو نیکوں کا پتہ چل ہی جاتا ہے۔'' شکور نے جیب سے رومال نکالتے ہوئے زار زار روتے ہوئے قلبِ مومن سے کہا تھا۔ وہ اُس سے عبدالعلی کی تعزیت کر رہا تھا اور وہ بے حد خاموشی سے اُس کی باتیں سن رہا تھا۔

''میرے بارے میں کچھ کہا انہوں نے؟'' اپنا ناگ رگڑتے ہوئے شکور کو یک دم خیال آیا۔ قلبِ مومن نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''صرف یہ کہ شکور سے کہہ دوں کہ وہ جھوٹ چھوڑ دے۔'' شکور کا منہ چند لمحوں کے لئے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ جیسے رونا ہی بھول گیا تھا۔

''یہ دادا جی نے میرے لئے اس دنیا سے جانے سے پہلے کہا؟'' شکور کو یقین نہیں آیا تھا۔

''تم نے اس بلڈنگ کے چوکیدار سے کہا کہ میں اپنا پینٹ ہاؤس بیچ کر تبلیغ پر چلا گیا ہوں؟'' شکور کے آنسو بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل ہوئے تھے۔

''نہیں تو۔'' شکور کی سانس حلق میں اٹکی۔

''صبح سے پراپرٹی ڈیلرز کے فون بھگتا رہا ہوں میں اور وہ سب تمہارے ریفرنس سے آرہے ہیں کیونکہ تمہارے ذمہ لگایا ہے میں نے یہ گھر بیچنا۔'' شکور قلبِ مومن کو یوں دیکھ رہا تھا۔ وہ بھرائی

زبان میں باتیں کر رہا ہو۔

''میرے بڑے دشمن ہیں مومن بھائی.....آپ کی نظروں میں گرانا چاہتے ہیں مجھے۔''

شکور نے بالآخر کہا۔

''اُنہیں جا کر پھر بتا دو کہ تم میری نظروں میں جتنا پہلے گرے ہوئے ہو اس سے زیادہ نہیں گر سکتے۔''قلبِ مومن نے تنک کر کہا تھا۔

''ہاں یہ بات ہوئی نا.....یہی جا کر کہوں گا.....آپ کو بس اسی طرح اعتبار ہونا چاہیے مجھ پر۔''

قلبِ مومن کی بات اُس کے سر کے اوپر سے گزری تھی یا اگر اُسے سمجھ بھی آئی تھی تو اُس نے نا سمجھی کا مظاہرہ کیا تھا۔قلبِ مومن نے اُس کے ساتھ مزید مغز ماری کا ارادہ ترک کر دیا۔

''تم کسی ماسٹر ابراہیم کو جانتے ہو؟''اُس نے شکور سے پوچھا تھا۔

''وہ جو دادا جی کے دوست تھے اور جن سے دادا جی ملنے گئے تھے؟''اُس نے چونک کر پوچھا تھا۔

''ہاں۔''قلبِ مومن نے مختصراً کہا۔

''ہاں جی جانتا ہوں۔''

''مجھے ملنا ہے اُن سے.....اُن کا پتہ چاہیے۔''

شکور اُس کی بات پر سر کھجانے لگا۔

''پتہ تو نہیں ہے میرے پاس۔بس علاقے کا پتہ ہے۔آپ کو بتایا تھا نا کریم منگوائی تھی میں نے اُن کے لئے.....پر پورا ایڈریس نہیں دیا تھا انہوں نے۔''

وہ فون نکال کر جیسے ایڈریس ڈھونڈنے لگا تھا۔

''تمہیں علاقے کا پتہ ہے تو وہی بتا دو میں ڈھونڈ لوں گا اُنہیں۔''قلبِ مومن بڑبڑایا تھا۔

''پر آپ ملنا کیوں چاہتے ہیں اُن سے؟''شکور کو یک دم تجسس ہوا۔

''ہے کوئی بیڑی جو پاؤں سے اُتارنا چاہتا ہوں۔''

اُس کا جملہ ایک بار پھر شکور کو سمجھ نہیں آیا تھا۔

''مومن بھائی صوفی ہو گئے ہیں۔''اُس نے دل ہی دل میں کہا۔

''لیکن بس چہرے پر نور نہیں آیا جیسا دادا جی کے چہرے پر ہوتا تھا۔''اُس نے چور نظروں

سے صوفے پر بیٹھے ہوئے قلبِ مومن کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ پھر اُسے یک دم کچھ یاد آیا۔

''کوئی خالق صاحب آتے رہے تھے آپ کے بعد آپ سے ملنے..... کہتے تھے دادا جی نے آپ کا پتہ اور فون نمبر دیا تھا مگر آپ کے فون پر اُن کا آپ سے رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔ اُن کو دادا جی کی وفات کا بھی پتہ تھا۔'' شکور نے قلبِ مومن کو اطلاع دی۔

''مجھے اپنا کارڈ دے کر گئے تھے۔ ترکی جاتے رہتے تھے دادا جی کے پاس۔ مجھے بتایا تھا انہوں نے..... ویسے تو کہہ رہے تھے دوبارہ آئیں گے فون بھی کریں گے۔''

قلبِ مومن نے عدم دلچسپی سے اُس کی بات سنی تھی۔ اُسے فی الحال صرف ماسٹر ابراہیم سے ملنے میں دلچسپی تھی۔

☆.....☆.....☆

''شرم آنی چاہیے تم لوگوں کو یہ رول مجھے آفر کرتے ہوئے۔'' شیلی کا بس نہیں چلا تھا کہ وہ داؤد کے سر پر آفس میں پڑی کوئی چیز دے مارتی۔ وہ اپنا رول سننے آئی تھی اور اب غضبناک تھی۔

''اس سے بہتر میں نے کسی ہیروئن کا کریکٹر مومن کی کسی فلم میں نہیں دیکھا۔'' ٹینا نے اُسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ شیلی نے اُس کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔

''سات سالہ بچے کی ماں؟..... میں کہاں تمہیں سات سالہ بچے کی ماں لگتی ہوں؟'' وہ دھاڑی تھی۔

''کتنے Layers اور شیڈز ہیں..... شادی سے پہلے کا پورا Journey ہے..... glamorous۔'' اس بار داؤد نے کچھ بولنے کی کوشش کی تھی اور شیلی نے اُسے بھی بات پوری کرنے نہیں دی۔

''پندرہ منٹ میں ختم ہو جاتا ہے وہ سارا گلیمر اور پھر پوری فلم میں میں ایک بچہ لٹکا کر پھروں گی اور وہ بھی پہلے سات سال کا پھر اُس سے بھی بڑا..... For God's sake..... مومن سے کہو فلمیں بنانا چھوڑ دے اور لکھنا تو مکمل طور پر..... رائٹر نہیں ہے وہ..... یہ کیڑا کیوں گھس گیا ہے اُس کے دماغ میں۔ جب تک وہ اس Phase سے نکل نہیں آتا..... اُسے کہو وہ گھر بیٹھ جائے۔'' وہ دھاڑتے ہوئے اپنا بیگ اُٹھا کر کھڑی ہو گئی تھی اور چلتے چلتے اُس نے یک دم رُک کر داؤد سے کہا۔

''اور ہاں اُسے یہ بھی بتا دینا کہ میں نے احسن کی فلم سائن کر لی ہے۔ میرے پاس اب اس سال کسی اور فلم کے لئے dates نہیں ہیں ہاں اگر اُس نے صنم بنانی ہوتی تو بتانا مجھے۔'' شیلی کہتے ہوئے

آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی اور اس کے باہر جاتے ہی ٹینا کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

''Thank God she refused..... یہ رول مومنہ سلطان کا ہے.....وہی کرے گی میں بتا رہی ہوں تمہیں۔اُس کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا یہ رول۔'' ٹینا نے داؤد کو چیلنج کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''ہاں ہاں مجھے پتہ ہے تو نے ایسے ہی کہنا تھا.....اب تجھے کیا پتہ کتنی مصروف ہوں..... مومنہ آئی ہوئی ہے تو اُس کے لئے کھانا بنا رہی ہوں۔تیری طرح وہ بھی ہر وقت فرمائشیں ہی کرتی رہتی ہے..... تجھے بتایا تو تھا نا میں نے ایوارڈ ملا ہے اُسے.....آسکر.....'' کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے مومنہ کو لگا ثریا کسی سے باتیں کر رہی تھی۔وہ کچن میں تھی اور ملازم ابھی کچھ دیر پہلے باہر گیا تھا پھر وہ کچن میں کس سے باتیں کر رہی تھی۔مومنہ عجیب تجسس کے عالم میں کچن میں گئی تھی اور وہ دروازے سے اندر نہیں جا سکی۔ثریا اب توے پر روٹی ڈالتے ہوئے ہنس رہی تھی اور پھر ہنستے ہوئے اُس نے کسی سے کہا تھا۔

''ہاں ہاں گئے تھے ہم وزیراعظم سے بھی ملے.....صدر سے بھی ملے.....تیری بہن کی اتنی عزت ہوئی وہاں.....تو ہوتا تو کتنی تصویریں بناتا..... ہاں ہاں پتہ ہے مجھے.....'' مومنہ دروازے میں ساکت کھڑی ثریا کو دیکھتی رہی۔وہ اُسی طرح باتیں کر رہی تھی اُس کی موجودگی سے بے خبر۔

''اماں کس سے باتیں کر رہی ہیں آپ؟'' اُس نے بالآخر ہمت کر کے جیسے اُنہیں مخاطب کیا تھا۔ثریا نے چونک کر اُسے دیکھا پھر عجیب پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''کس سے باتیں کروں گی..... تیرا بھائی جہانگیر ہے..... یہ دیکھ۔'' اُس نے اس طرح الماری کی طرف اشارہ کیا تھا جیسے وہ وہاں کھڑا تھا۔مومنہ نے اضطراب کے عالم میں وہاں دیکھا تھا جہاں وہ اشارہ کر رہی تھی۔وہاں کوئی نہیں تھا یہ وہ وہاں دیکھتے ہوئے بھی جانتی تھی۔

''اماں یہاں کوئی نہیں ہے.....اور جہانگیر کیسے آسکتا ہے؟'' اُس نے ماں کو جیسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

''لو بھلا.....اُس کی بہن کا گھر ہے اُسے کون روکے گا.....اُس کا جب دل چاہتا ہے آجاتا ہے۔پھر میں اور وہ بیٹھ کے فلمیں دیکھتے ہیں۔'' ثریا نے اُس کی بات اس طرح نظر انداز کرتے ہوئے اُسے بتایا تھا جیسے وہ عقل سے پیدل تھی۔جو وہ دیکھ پا رہی تھیں وہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

مومنہ سلطان کچھ بھی بول نہیں پا رہی تھی۔ وہ بس دروازے کی چوکھٹ کے دونوں اطراف ہاتھ رکھے وہاں دم سادھے کھڑی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''شیزوفرینیا کی علامات ہیں۔ وہ پچھلے کئی مہینوں سے آپ کے بھائی کو دیکھ رہی ہیں۔ آپ نے پہلے کبھی نوٹس کیوں نہیں کیا؟''

مومنہ سلطان نے سوچا تھا اُس کی زندگی میں بُری خبریں اب نہیں رہیں..... کچھ دن تو اچھے گزرتے۔ سائیکاٹرسٹ ثریا کے ساتھ کئے جانے والے سیشن کے بعد اُسے اپنی findings بتا رہا تھا اور وہ دم بخود سن رہی تھی۔

''میں پاکستان میں رہی ہی نہیں اتنے مہینے۔'' اُس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے سائیکاٹرسٹ کو بتایا تھا۔

''اسی لئے آپ کو اندازہ نہیں ہوا..... ریگولر میڈیکیشن کرنی پڑے گی اور سیشنز بھی..... ابھی early سٹیج میں ہے یہ مرض..... وقت پر علاج ہو جائے گا تو کنٹرول ہو جائے گا۔'' وہ اُسے اُمید دلا رہا تھا۔ مومنہ اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے صرف سر ہلا رہی تھی۔

''By the way آپ کو آسکر جیتنے پر بہت بہت مبارک ہو..... آپ مومنہ سلطان ہیں نا؟'' سائیکاٹرسٹ نے گفتگو کا اختتام کرتے ہوئے اُس وقت اُس سے کہا جب وہ کرسی سے اُٹھ کر اُس کے آفس سے نکلنے والی تھی۔ اُس نے بمشکل شکریہ ادا کیا۔ بعض لمحوں میں آپ پہچانے نہیں جانا چاہتے۔ سینگ لگا لینا چاہتے ہیں..... ماسک چڑھا لینا چاہتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں آپ کو پہچانے جانے کے بعد یاد آتی ہیں۔

☆.....☆.....☆

وہ باہر نکلی تو ثریا اور سلطان دونوں باہر ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُسے دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''بہت پیسہ آ گیا ہے اس کے پاس..... خوامخواہ ڈاکٹروں کے پاس چکر لگواتی ہے۔'' ثریا نے خفگی سے اُس سے کہا تھا۔ اُس نے کچھ کہے بغیر ماں کا چہرہ دیکھا۔

''سب ٹھیک تو ہے نا مومنہ؟'' سلطان نے جیسے بیٹی کے چہرے کو پڑھ لیا تھا۔

''ہاں ابا سب ٹھیک ہے۔'' مومنہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے باپ کو یقین دلایا۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا..... مجھے کیا ہوا؟ دو گھنٹے سے بس باتیں ہی کئے جا رہا تھا وہ ڈاکٹر مجھ سے.....آئندہ نہیں آؤں گی اس کے پاس.....میرا دماغ کھا گیا۔''

ثریا خفا انداز میں کہتے ہوئے کلینک سے باہر چل پڑی تھی۔

مومنہ میکانکی انداز میں فائل پکڑے اُن دونوں کے پیچھے چلی گئی تھی۔ سائیکاٹرسٹ نے کہا تھا اُسے ثریا کے ساتھ وقت گزارنا تھا اگر وہ یہ چاہتی تھی کہ اُس کا مرض نہ بگڑے اور وقت مومنہ سلطان کہاں سے ڈھونڈھ کر لاتی وہ یہ سوچ رہی تھی۔ زندگی ہمیں کبھی بھی بادشاہ نہیں ہونے دیتی کہ سب کچھ ہی عطا کر دے زندگی ہمیں ہمیشہ فقیر ہی رکھتی ہے۔ کسی نہ کسی شے سے محروم کسی نہ کسی شے کے لئے ترستا ہوا۔

☆.....☆.....☆

''پہلی فلم اور پہلی فلم پر ہی سپورٹنگ رول پر آسکر.....سفر اتنا آسان تھا کیا؟'' اپنے آفس میں بیٹھے آفس میں لگی LED پر آنے والے مومنہ سلطان کے ایک ٹی وی انٹرویو پر قلبِ مومن رک گیا تھا۔ مومنہ سلطان کے آسکر کے بارے میں وہ واپس آ کر جانا تھا جہاں ٹی وی چینلز پر پچھلے دو ہفتوں میں اس کے علاوہ کوئی اور خبر بار بار دہرائی نہیں جا رہی تھی۔

''بالکل بھی نہیں..... ہر بڑی کامیابی کے پیچھے بہت بڑی قیمت ہوتی ہے۔'' اُس نے انٹرویور کو جواب دیا تھا۔ بہت کچھ بدلا ہوا تھا اُس کی شخصیت میں یہ وہ نروس گھبرائی ہوئی اداکارہ نہیں تھی جو اُس کے پاس آڈیشن کے لئے آئی تھی۔ وہ بین الاقوامی exposure جو اُسے پچھلے ایک سال میں ملا تھا۔ اُس کے اُٹھتے بیٹھتے بولنے ہر چیز میں جھلک رہا تھا۔ وہ بے حد پراعتماد اور گرومڈ نظر آ رہی تھی۔

''کامیابی ہر مشکل سفر کی تھکن ختم کر دیتی ہے۔ خاص طور پر اگر کامیابی آپ کو ملنے والی کامیابی جیسی ہو۔'' انٹرویور نے مسکراتے ہوئے بے حد مرعوب انداز میں اُس کے جواب پر تبصرہ کیا تھا۔

''کامیابی کی اپنی تھکن ہوتی ہے اور جتنی بڑی کامیابی ہوتی ہے اُتنا زیادہ تھکاتی ہے۔''

اُس نے مومنہ سلطان کو کہتے سنا۔ قلبِ مومن چینل بدلتے بدلتے رُک گیا تھا۔ وہ اُس کی گفتگو سننا چاہتا تھا۔ وہ ایک عام اداکارہ کی گفتگو نہیں تھی جو کامیابی کے نشے میں چور سکرین پر اپنے ڈنکے بجانا چاہتی ہو۔

''اس مقام تک پہنچنے کے لئے کیا کیا سمجھوتے کئے؟'' سوال کرنے والی نے یک دم موضوع بدل دیا تھا۔

''سمجھوتہ کام میں کبھی نہیں کیا۔ زندگی میں بہت سارے کئے۔'' رائل بلو سوٹ میں اُس

کے گلے میں آج بھی ایک دوپٹہ تھا۔قلبِ مومن کو پتہ نہیں کیا کیا یاد آیا تھا اور جو بھی یاد آیا تھا وہ شرمسار کرنے کے لئے کافی تھا۔

''سمجھوتے کو بُرا سمجھتی ہیں؟'' انٹرویور نے کُریدا تھا۔

''کام کرنے کے لئے کئے جانے والے سمجھوتے کو بہت بُرا۔زندگی گزارنے والے کئے جانے والے سمجھوتوں کو بالکل بھی نہیں۔'' وہ بہت مختصراً اور مدلل بات کررہی تھی۔انٹرویو کرنے والی اُسی کی عمر کی لڑکی تھی مگر وہ مومنہ سلطان سے بے حد مرعوب اور خائف نظر آرہی تھی۔

قلبِ مومن جانتا تھا وہ اُس کا انٹرنیشنل سٹارڈم تھا جو بات کرنے والی کو بار بار سوچ کر بات کرنے پر مجبور کررہا تھا۔

''چلیں کچھ Light hearted بات چیت کرتے ہیں ہم..... کچھ پرسنل سوالات۔'' انٹرویور نے یک دم موضوع ایک بار پھر اُسی انداز میں بدلا تھا جس میں وہ بدلنے کی عادی تھی۔قلبِ مومن آفس کا دروازہ کھول کر اندر آنے والے داؤد کو نہیں دیکھ سکا۔وہ اُس انٹرویو میں اتنا محو تھا۔داؤد خاموشی سے آکر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور وہ بیٹھا تو مومن کو پہلی بار اُس کی موجودگی کا احساس ہوا۔

''کبھی کسی سے پیار کیا؟'' انٹرویور نے بے حد تجسس کے عالم میں اُس سے سوال کیا تھا۔

''ہاں۔'' بے حد بے تاثر انداز میں جواب آیا تھا۔

''پایا..... یا..... کھویا؟'' انٹرویور کا تجسس اور بڑھا۔

''پا کر بہت کچھ کھو دیتی..... اس لئے کھو دیا۔'' مومنہ سلطان نے اُسی انداز میں کہا تھا۔

''کھو دینے کی تکلیف ہے؟''

''اب نہیں ہے۔''

''زندگی میں کبھی کسی سے نفرت کی؟'' انٹرویور کا اگلا سوال تھا۔

''ہاں۔'' جواب سوچے بغیر آیا تھا یوں جیسے وہ جانتی تھی اُسے کس کا نام لینا تھا۔

''کس سے؟''

''ایک ڈائریکٹر تھا..... جس کے پاس میں فلم کا آڈیشن دینے گئی تھی۔اُس نے فلم میں نامناسب لباس پہننے کے لئے مجھے مجبور کیا اور میرے انکار پر فلم میں کام نہیں دیا۔وہ فلم مل جاتی تو شاید میرے بھائی کی زندگی بچ جاتی۔تو بس اُس وقت ضرورت نے ایسی نفرت کروائی تھی اُس سے کہ آج بھی اگر کوئی نفرت کا نام لیتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے صرف اُس ڈائریکٹر کا چہرہ آتا ہے۔'' وہ پہلا سوال

تھا جس کا جواب اُس نے مختصر نہیں دیا تھا۔ بے حد تحمل سے دیا تھا مگر اُس کی آنکھیں اُس تحمل کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

قلبِ مومن کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ آج بھی اُس کی یادداشت کا حصہ ہے اور اُس انٹرویو میں اُس کا حوالہ اس طرح آئے گا۔ ندامت اس لئے بھی زیادہ ہوئی تھی کیونکہ اُس سے کچھ فاصلے پر داؤد بیٹھا ہوا تھا۔ کبھی کبھار قسمت ہمیں اس طرح کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

''نام بتانا چاہیں گی آپ اُس کا؟'' انٹرویور نے چند جملے اُس ڈائریکٹر کی شان میں کہنے کے بعد جیسے مومنہ سلطان کو نام لینے پر اُکسایا۔

''وہ اس قابل بھی نہیں کہ میں اُس کا نام لوں۔'' قلبِ مومن نے ریموٹ اُٹھا کر LED آف کر دی تھی۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں تھا اُس کا بھائی بیمار تھا۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد مومن نے داؤد سے کہا تھا۔

''بتا دیتا تو بھی کیا ہوتا مومن بھائی..... آپ اُس وقت کسی کی نہیں سُنتے تھے۔'' داؤد نے مدھم آواز میں شاید زندگی میں پہلی بار اُس کے رویے کی کسی بدصورتی کی نشان دہی کی تھی۔ مومن چپ کا چپ بیٹھا رہا۔

''اگر تمہاری بات ہوتی ہو اُس سے تو معذرت کرنا میری طرف سے۔'' بہت دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے جو کہا تھا اُس نے داؤد کو گنگ کر دیا تھا۔ وہ شاید پہلی معذرت تھی جو مومن کسی سے کر رہا تھا۔

''میں اور ٹینا سوچ رہے ہیں مومن بھائی کہ اگر مومنہ سے آپ کی فلم کے لئے بات کی جائے۔ شیلی تو اب انکار کر کے چلی گئی ہے اور ہم دونوں کا خیال ہے یہ رول مومنہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔'' داؤد نے اُس کی بات کے جواب میں بڑی ہمت سے کہا تھا۔

''وہ سکرپٹ تمہارے منہ پر مارے گی۔'' بے حد ٹھنڈے لب و لہجے میں مومن نے اُس سے کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''میں یہ سکرپٹ تمہارے منہ پر مارنا نہیں چاہتی اس لئے اسے اٹھا لو۔'' داؤد بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ مومنہ کے چہرے کی سنجیدگی میں رتی برابر فرق نہیں پڑا تھا۔ داؤد اُس کے پاس کچھ دیر

پہلے پہنچا تھا اور ادھر ادھر کی گپ شپ کرنے کے بعد وہ بالآخر اُسی موضوع پر آیا تھا اور اُس نے سکرپٹ مومنہ کے سامنے رکھتے ہوئے اُس نے بات کا آغاز کیا تھا اور جواب حسب توقع وہی آیا تھا۔ مومنہ نے سکرپٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

''مومن بھائی نے یہی کہا تھا تم یہی کرو گی۔'' داؤد نے بالآخر اُس سے کہا۔

''تمہاری جگہ مومن بیٹھا ہوتا تو یقیناً یہی کرتی۔ اُس کی ہمت بھی کیسے ہوئی مجھے یہ فلم آفر کرنے کی۔ مجھ سے رابطہ کرنے کی بھی۔'' وہ بے اختیار خفا ہوئی تھی۔

''یہ آئیڈیا میرا تھا۔'' داؤد نے اعترافی انداز میں کہا۔

''اقصیٰ ٹھیک کہتی ہے تمہاری عقل گھٹنوں اور ٹخنوں کے درمیان چلتی رہتی ہے۔'' داؤد نے اُس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اُڑا دی تھی۔

''وہ بہت شرمندہ ہیں۔'' داؤد نے کہا۔ مومنہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔

''اوہ اچھا..... ضمیر جاگ گیا تمہارے مومن بھائی کا..... بڑی جلدی جاگا ہے..... اب مجھے یہ مت کہنا کہ وہ مجھ سے معذرت کرنا چاہتے ہیں۔'' داؤد زبان دانتوں تلے دبا کر بیٹھا رہا۔

''تم صرف ایک بار یہ سکرپٹ پڑھ لو۔'' مومنہ نے اُس کی بات کاٹی۔

''میں بغیر پڑھے انکار کر رہی ہوں۔ اس پر قلبِ مومن کا نام لکھا ہے اور میں اس نام کو دیکھنا تک نہیں چاہتی۔''

''اس پر اللہ کا نام بھی ہے اور الف اُسی کے نام کا پہلا حرف ہے۔'' داؤد نے بے اختیار کہا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔

''میں مومن کے ساتھ کبھی کام نہیں کروں گی۔'' اُس نے جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

''مت کرو صرف اسے پڑھ لو..... پڑھنے میں تو کچھ نہیں جائے گا تمہارا۔'' داؤد نے بے ساختہ اُس سے کہا۔ وہ اس بار خاموش رہی۔

''میں چلتا ہوں ..... دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ مومنہ خفا سے انداز میں بیٹھی رہی۔

''تمہیں یاد ہے مومنہ جہانگیر کے لئے جب ہم اُس رات پیسے جمع کر رہے تھے تو جو پیسے کم پڑے تھے وہ میں آدھی رات کو کس کو جگا کر لایا تھا۔'' اُس نے کھڑے ہوتے ہوئے مومنہ سے کہا۔ مومنہ

اور داؤد ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ مومنہ کو لگا جیسے کسی نے اُس کے پیٹ میں گھونسا مارا ہو۔

''مومن کا نام مت لینا۔'' وہ جیسے کراہ کر داؤد سے بولی تھی۔

''تمہارا نام لے کر اُن سے قرضہ لے کر نہیں آیا تھا۔ اپنا ہی نام لیا تھا۔ واپس دینا چاہتا تھا بعد میں اُنہیں۔ انہوں نے لیا ہی نہیں کہ یہ چھوٹی رقم ہے..... چلتا ہوں۔''

وہ مدھم آواز میں کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ گم صم وہاں بیٹھی رہی تھی۔ زندگی میں قلبِ مومن وہ آخری آدمی بھی نہ ہوتا جس کا وہ کبھی کوئی احسان اپنے سر پر رکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے اُس پر احسان کیا بھی نہیں تھا۔ مگر وہ مومنہ سلطان تھی احساس سے عاری ہوتی تو بہت خوش رہتی۔

☆.....☆.....☆

''ہیلو.....جی قلبِ مومن سے بات کر سکتا ہوں؟''

''جی میں قلبِ مومن ہی ہوں۔'' دوسری طرف فون پر موجود مرد یک دم بے حد خوش ہوا تھا۔

''شکر ہے آپ سے بات ہوگئی۔ میں اتنے مہینوں سے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کے اپارٹمنٹ پر بھی کئی چکر لگا آیا ہوں لیکن آپ سے رابطہ ہی نہیں ہو پایا۔'' اُس آدمی نے کہا تھا۔

قلبِ مومن کچھ اُلجھا تھا۔ اُس کے ذہن میں اُس آدمی کا نام گونجا تھا جس کا ذکر شکور نے کیا تھا لیکن اُس نے فون پر اُس آدمی کا نام لینے کی بجائے اُس سے کہا۔

''سوری میں ابھی تک آپ کو پہچانا نہیں ہوں۔'' وہ اُس وقت آفس سے نکل رہا تھا اور اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔

دوسری طرف اُس آدمی نے بڑے اطمینان کے عالم میں کہا۔

''جی آپ جانتے ہوں گے تو پہچانیں گے نا۔ مرحوم عبدالعلی صاحب بہت اچھی طرح جانتے تھے مجھے ویسے۔'' اُس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں کہا۔

''آپ دادا کے دوست ہیں؟'' مومن کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا۔

''کاش ہوتا جی.....ہم تو اُن کے صرف مداح تھے۔ آپ بتائیں آپ کے پاس کب حاضر ہو سکتا ہوں.....ایک بڑا ضروری کام ہے مجھے.....اور عبدالعلی صاحب کا حکم بھی۔'' اُس آدمی نے جواباً کہا تھا۔ قلبِ مومن اُلجھا تھا۔

''دادا نے آپ سے کہا تھا مجھ سے ملنے کو؟''

''ہاں جی۔''

اُس آدمی نے کہا اور پھر یک دم جیسے اُسے خیال آیا۔

''اپنا نام تو بتانا بھول ہی گیا میں ویسے آپ کے ملازم کو اپنا کارڈ دے کر آیا تھا میں۔ بندے کو خالق علی کہتے ہیں۔'' اُس آدمی نے اپنا نام لیا اور ایک جھما کے ساتھ مومن کے ذہن میں وہ نام اور نمبر چمکا جو دادا نے اُسے دیا تھا۔ اُن کے ساتھ ہونے والی آخری فون کال کے بعد۔

''آپ آجائیں اس ویک اینڈ پر میں انتظار کروں گا آپ کا۔'' قلبِ مومن نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا خالق اُس سے کس چیز کے بارے میں بات کرنے آنا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

''خیال تو رکھتا ہوں اس کا ہر وقت.....اس کا خیال نہیں رکھوں گا تو کس کا رکھوں گا۔ دو ہی لوگ تو ہوتے ہیں یہاں.....تم تو اتنے مہینے تھی ہی نہیں۔'' سلطان نے مومنہ سے اُس رات گلہ کیا تھا۔ اُس نے باپ کو ثریا کی بیماری کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ اسے راز میں رکھ کر ثریا کا علاج نہیں کر سکتی تھی۔ سلطان کو شیزوفرینیا کی بیماری کی کتنی سمجھ آئی کتنی نہیں لیکن اُس نے مومنہ کے سامنے یہ اقرار کر لیا تھا کہ ثریا اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی تھی اور کبھی کبھار جہانگیر سے بھی کرتی تھی مگر اُسے اس میں کبھی کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مومنہ نے جواباً اُسے اُس ذہنی مرض کی تفصیلات بتانا شروع کر دی تھیں۔

''مہنگا علاج ہے؟'' اُس نے مومنہ کی ساری بات سن کر عجیب فکر مند انداز میں اُس سے پوچھا تھا۔

''ابا مہنگے اور سستے کی پروا نہ کریں آپ.....علاج مسئلہ نہیں ہے۔ خیال مسئلہ ہے۔'' اور اُس کے اس جملے کے جواب میں سلطان نے اُسے یاد دلایا تھا کہ اُس نے پچھلے ایک سال میں اُس گھر میں کتنا کم وقت گزارا تھا۔

''جانتی ہوں ابا میری کوتاہی ہے۔ لیکن میں بے بس تھی۔ چاہتی بھی تو رہ نہیں سکتی تھی آپ لوگوں کے ساتھ پاکستان میں۔ کام پتہ نہیں کہاں کہاں لے کر جا رہا ہے مجھے۔ ابھی ایک ہفتہ میں دوبارہ جانا ہے اسی لئے آپ سے کہہ رہی ہوں آپ خیال رکھیں اماں کا۔'' اُس نے بہت نادم انداز میں سلطان کو وضاحت دی تھی۔

''تم سے شکایت نہیں کر رہا مومنہ پر یہاں تنہائی بہت ہے۔'' سلطان نے کچھ شرمندہ سا

ہوتے ہوئے سر جھکاتے ہوئے اُس سے کہا تھا۔

''آرام بھی تو بہت ہے ابا۔'' اُس نے جیسے باپ کو یاد دلایا تھا۔

''ہاں آرام ہے پر آرام تنہائی تو نہیں مٹاتا نا۔ اتنا لمبا دن ہوتا ہے اور وہ کٹتا ہی نہیں۔ رات ہوتی ہے تو نیند نہیں آتی..... وہ جو پرانا گھر اور محلّہ تھا نا وہاں یہ سب نہیں ہوتا تھا۔ دن گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ آدھا وقت پانی کے انتظار میں گزر جاتا تھا۔ آدھا بجلی کے پھر گلی محلے میں ہونے والے لڑائی جھگڑے دیکھنے میں..... دن بھاگ جاتا تھا۔ رات ہوتی تھی تو نیند کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ کب آئی تھی کب نہیں..... آنکھ جب بھی کھلتی تھی دن چڑھے ہی کھلتی تھی۔ چاہے مچھر کاٹتے ہوں چاہے بجلی نہ ہونے پر ہوا بند ہو..... پر نیند آجاتی تھی وہاں۔'' سلطان عجیب Nostalgic انداز میں بولتا جارہا تھا۔ یوں جیسے اُسے کوئی الف لیلہ داستان سنا رہا ہو اور وہ سنتی جارہی تھی یوں جیسے وہ واقعی اُس الف لیلہ سے واقف نہ رہی ہو۔

وہ اپنے ماں باپ کے لئے وہی کرسکتی تھی جو کر رہی تھی..... جتنی آسائشیں دنیا سے اکٹھی کرکے اس بڑھاپے میں اُن کے گرد ڈھیر کرسکتی تھی ڈھیر کرچکی تھی مگر وہ یہ بھول ہی گئی تھی کہ بڑھاپا آسائشیں ملنے پر نہیں چلتا ضرورتیں پوری ہونے پر چلتا ہے اور وہ ضرورتیں وہ پوری کرنے کے قابل نہیں تھی۔

''وہاں جہانگیر اور تمہارے جانے کے بعد بھی تنہائی نہیں ہوئی تھی۔ سارا دن محلے میں چلتے پھرتے رہتے تھے یا کوئی آتا جاتا رہتا تھا۔ یہاں چیزیں بہت ساری ہیں۔ آنے جانے والا کوئی نہیں۔ پرندے تک نہیں آتے..... وہاں یاد ہے صحن میں بچی ہوئی روٹی کے دو ٹکڑے بھی پھینکتی تھی تمہاری اماں تو پتہ نہیں کہاں کہاں سے کھانے کے لئے آجاتے تھے پرندے حالانکہ چھوٹا سا صحن تھا ہمارا..... اتنا تنگ..... پتہ نہیں آسمان سے کیسے ڈھونڈتے ہوں گے پرندے ہمارے صحن میں پڑے روٹی کے ٹکڑوں کو۔ تمہاری شادی ہوجائے تو میں اور ثریا اُس پرانے محلے میں کوئی کمرہ کرائے پر لے کر رہ لیں گے۔ وہاں خوش رہیں گے ہم۔ ثریا بھی ٹھیک ہوجائے گی وہاں۔'' سلطان اُس سے کہہ رہا تھا۔

''کام تو یہاں بھی بہت سارے ہیں ابا۔'' مومنہ بمشکل بولی تھی۔ اُس ہارے ہوئے وکیل کی طرح جسے پتہ تھا اُس کا کیس کمزور تھا۔

''یہاں کیا کام ہے؟..... صفائی ملازم کرتا ہے۔ کھانا کک بناتا ہے۔ ضرورت کا سامان ڈرائیور بڑے سٹور سے لاتا ہے۔ جہاں چلتے چلتے میں اور تیری اماں تھک جاتے ہیں۔ سارا دن میں اور

ثریا بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہتے ہیں۔'' سلطان نے عجیب سی ہنسی کے ساتھ اُسے بتایا تھا۔ وہ ہنسی نہیں جیسے اُس کی بے چارگی تھی۔

''آپ ڈرائیور کے ساتھ جایا کریں باہر گھومنے پھرنے۔'' مومنہ نے جیسے اُن کے لئے کام نکالا۔

''کہاں؟'' سلطان نے بے حد سادہ لہجے میں کہا۔

''کہیں بھی اتنا بڑا شہر ہے۔'' مومنہ نے کہا۔

''ہاں پر پورے شہر میں ہمارا تو کوئی نہیں ہے نا۔ جہانگیر تھا وہ چلا گیا۔ تم ہو..... تو تم مصروف ہوتی ہو۔ پوری دنیا میں اور ہمارا کون ہے؟''

وہ مجرمانہ انداز میں باپ کے سامنے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ سلطان کی کسی بات کا اُس کے پاس جواب نہیں تھا۔ وہ اُن کے پاس نہیں بیٹھ سکتی تھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر..... ورنہ بیٹھ جاتی۔

یہ اختیار اور انتخاب اللہ نے اُسے دیا ہی نہیں تھا۔ اُس کے پاس جو تھا پوری دنیا اُس پر رشک کرتے ہوئے مری جا رہی تھی۔ اُس کے پاس جو نہیں تھا وہ اُسے مر کر بھی حاصل نہیں کر پا رہی تھی۔ اُس کی زندگی کا مقصد کیا تھا مومنہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اُس کی اس کامیابی کا مقصد کیا تھا۔ مومنہ کو یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک ناکام اداکارہ تھی تو بھی اپنے ہر معاملے میں بے بس تھی وہ آج کامیاب اداکارہ تھی تو بھی اپنا کوئی مسئلہ حل نہیں کر پا رہی تھی۔

وہ سلطان کے پاس سے اُس رات اُٹھ کر آ گئی تھی مگر سونے کی کوشش کے باوجود وہ سو نہیں پائی تھیں۔ سلطان کی آواز اُس کے کانوں میں بار بار گونجتی تھی۔ وہ کئی گھنٹے اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے جیسے کوئی راستہ کوئی حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر جیسے بے حد بے بسی کے عالم میں وہ رات کے پچھلے پہر کچن میں چائے بنانے چلی آئی تھی۔

چائے کا کپ لئے وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھی تھی اور اُس کی نظر اُس سکرپٹ کے لفافے پر پڑی تھی جو داؤد وہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ اُس نے خالی الذہنی کے عالم میں اُس لفافے کو اُٹھایا تھا جس پر الف اور قلبِ مومن کا نام لکھا ہوا تھا اور سکرپٹ لفافے سے نکال لیا تھا۔

وہ ایک اور دُنیا تھی جہاں وہ کاغذ اُسے لے گئے تھے۔ عالیہ جہاں کی دُنیا اور اُس دنیا کا مرکز..... وہ سات سالہ دانیال..... عالیہ جہاں کا محبوب عبداللہ اور عبداللہ کا باپ عبدالہادی۔ وہ کیا کہانی تھی جس کا ایک ایک کردار دل تھا اور بس دل ہی کی حکمرانی کر رہا تھا۔ مومنہ سلطان نے اپنے اُس مختصر

کیریئر میں ویسا سکرپٹ ویسے کردار اور ویسے ڈائیلاگز نہیں دیکھے تھے اور ہر صفحے پر وہ اُلجھتی اُسے لگتا وہ عالیہ جہاں کو جانتی تھی وہ اُس کہانی میں خود بھی کہیں تھی مگر کہاں تھی یہ اُسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ رُکے بغیر وہ صفحے پر صفحے پلٹتی اُس سکرپٹ کو انٹرول تک پڑھتی گئی تھی اور انٹرول کے سین پر جس کردار کی انٹری ہوئی تھی اُس کردار نے مومنہ کو ساکت کر دیا تھا کیونکہ پہچان گئی تھی وہ کہانی کس کی تھی اور اُسے کیونکہ وہ جانی پہچانی لگ رہی تھی وہ حسنِ جہاں کی کہانی تھی اور انٹرول میں اُس کہانی میں آنے والا کردار سلطان تھا جو اپنی محبوبہ عالیہ جہاں سے ملنے ترکی گیا تھا اور عالیہ نے دانیال سے کہا تھا کہ وہ سلطان کے بارے میں عبداللہ کو نہ بتائے۔

UA BOOKS

اُس کہانی کے کردار کا نام فرضی تھا صرف سلطان کے نام کے علاوہ۔ مومنہ کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے اُس نے انٹرویل کے بعد آگے پڑھنے کے لئے سکرپٹ کا صفحہ اُلٹا تھا وہاں آگے To be continued کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اُسے جو سکرپٹ بھیجا گیا تھا وہ انٹرول تک تھا۔ وہ بُت کی طرح بیٹھی رہی۔ عالیہ جہاں یقیناً حسنِ جہاں تھی اور اگر وہ حسنِ جہاں تھی تو قلبِ مومن دانیال کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

''مومنہ تم اب تک جاگ رہی ہو؟''

وہ سلطان کی آواز پر چونکی تھی۔ وہ اُسے دیکھنے لاؤنج میں آیا تھا اور اب اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ باپ کو دم سادھے دیکھتی رہی۔ اُس کی نظروں میں یقیناً کوئی ایسا تاثر تھا جس نے سلطان کو پریشان کیا تھا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' وہ آگے بڑھ آیا تھا۔

''ایک سکرپٹ پڑھ رہی ہوں ابا۔'' مومنہ کو بات کرتے ہوئے اپنی آواز کھوکھلی لگی۔

UA BOOKS

''سکرپٹ؟'' سلطان اُلجھا تھا۔

''ایک اُردو فلم کا سکرپٹ'' مومنہ نے نظریں اُس پر جمائی ہوئی تھیں۔

''کیا ہے کہانی؟'' سلطان نے پوچھا اُسے اُس کی نظریں بے چین کر رہی تھیں۔

''الف لیلیٰ جیسی کہانی ہے انٹرول تک میں نے سانس روک کر پڑھا ہے۔ آپ کو بھی سناتی ہوں۔'' مومنہ نے کہنا شروع کیا۔

''ہاں سناؤ..... حسنِ جہاں کو بھی بڑا یقین تھا میری رائے پر ہر سکرپٹ سناتی تھی وہ مجھے۔ تم بھی سناؤ۔ میں بتا دوں گا Hit ہے یا نہیں۔'' سلطان کہتے ہوئے دوسرے صوفہ پر اُس کے بالمقابل بیٹھ

گیا تھا۔

''ایک بچے کی کہانی ہے ابا جس کی ماں ایک ایکٹریس اور ڈانسر تھی اور اُسے ترکی میں ایک فیسٹیول کے دوران ایک ترکی کے ڈانسر اور خطاط سے پیار ہو جاتا ہے۔'' مومنہ رُکی تھی اُس نے سلطان کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔

''وہ اُس کے لئے سب کچھ چھوڑ کر ترکی رہ جاتی ہے اور وہ ڈانسر جو خطاطوں کے ایک نامور گھرانے سے تھا اپنے باپ کو ناراض کر کے اُس سے شادی کر لیتا ہے۔ لیکن پھر وہ خطاطی نہیں کر پاتا اور اُن دونوں کے درمیان محبت کی یہ داستان ایک شخص کی وجہ سے شاید ختم ہو جاتی ہے۔'' وہ کہتی گئی تھی۔ سلطان پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھتا رہا جب وہ خاموش ہوئی۔ تو سلطان نے کہا۔

''کس شخص کی وجہ سے؟'' مومنہ نے سکرپٹ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''سلطان کی وجہ سے۔''

لاؤنج میں ایسی خاموشی چھائی تھی جیسے وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر مومنہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اُس سے کہا۔

''کیا تھے ابا آپ حسنِ جہاں کی زندگی میں؟ ہیرو یا ولن؟''

سلطان نے جواب دینے کی بجائے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔

''انٹرول کے بعد کیا ہوا تھا اس سکرپٹ میں؟''

''میں نہیں جانتی میرے پاس صرف آدھا سکرپٹ آیا ہے۔''

''منع کر دو اس سکرپٹ کو۔'' سلطان نے بے ساختہ کہا۔

''آپ گئے تھے نا ترکی حسنِ جہاں سے ملنے؟ کیا ہوا تھا ابا وہاں؟ کیا کیا تھا آپ نے؟'' مومنہ نے اُس کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ سلطان اُس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

''جس نے یہ سکرپٹ لکھا ہے اُس سے پوچھو۔ اُسے سب علم ہوگا۔''

اُس کے لہجے میں طنز تھا۔

''کس نے لکھا ہے یہ سکرپٹ؟''

''قلبِ مومن نے۔'' اس بار پہلے سے بھی لمبی خاموشی چھائی تھی لاؤنج میں پھر سلطان جیسے کراہتے ہوئے بولا تھا۔

''اُس کے بیٹے نے؟'' مومنہ نے سر ہلایا۔

''وہی فلم ڈائریکٹر ہے جس کی فلم کے آڈیشن کے لئے بھیجا تھا آپ نے اور اُس نے مجھے کام نہیں دیا۔''

مومنہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''وہ فلم ڈائریکٹر؟ وہ بیٹا ہے حسنِ جہاں کا؟..... وہ خطاط نہیں بنا؟ یہاں پاکستان آ گیا؟'' سلطان نے بے یقینی کے عالم میں اُس سے کہا۔ اُس نے سر ہلا دیا۔

''مجھے..... مجھے ملوا دو اُس سے۔'' سلطان نے بے اختیار کہا۔

''آپ کیا کریں گے اُس سے مل کر؟''

مومنہ نے پوچھا۔

''میں انٹرول کے بعد والے حصے میں اپنا رول جاننا چاہتا ہوں۔''

''آپ اُس کی فلم کے ولن ہیں ابا۔ یہ میں آپ کو پورا سکرپٹ پڑھے بغیر بھی بتا سکتی ہوں۔'' ایک سایہ سلطان کے چہرے پر لہرایا تھا۔

''آپ کس لئے گئے تھے اُس سے ملنے؟'' مومنہ نے دوبارہ پوچھا۔

''حسنِ جہاں کا نام لکھا ہے اُس نے سکرپٹ میں؟'' سلطان پتہ نہیں اپنے کس اندازے کی تصدیق چاہتا تھا۔

''نہیں ابا..... ہر ایک کا نام بدلا ہے اُس نے سوائے آپ کے..... آپ سے نفرت کرتا ہے وہ اس لئے آپ کا نام نہیں بدلا اُس نے..... حسنِ جہاں کی زندگی کے قصے اتنے سنے ہیں آپ سے کہ میں آنکھیں بند کر کے بھی پہچان سکتی ہوں کہ وہ عالیہ جہاں نہیں ہے حسنِ جہاں ہے اور عالیہ جہاں نے جس کے لئے بے وفائی کی وہ سلطان تھا۔''

وہ اُس کے جملے پر ہنسنے لگا تھا اتنا کہ اُس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

''بے وفائی کر لیتی سلطان کے لئے تو آج زندہ ہوتی۔'' وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''ابا آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' مومنہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''میں دوں گا بھی نہیں تم یہ فلم مت کرنا..... یہ فلم فلاپ ہو گی۔ تاریخ کی سب سے بڑی فلاپ۔'' وہ کہتے ہوئے وہاں رُکے بغیر چلا گیا تھا۔ مومنہ مضطرب اُسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆.....☆.....☆

فون کی گھنٹی نے داؤد کو گہری نیند سے جگایا تھا۔ اُس نے نیند میں ہی آنکھوں کو مسلتے ہوئے فون اُٹھا کر نام دیکھتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو مومنہ رات کے تین بجے کال کر رہی ہو تم.....سب خیریت تو ہے۔'' داؤد نے کچھ فکر مند انداز میں کہا تھا۔

''میں یہ فلم کروں گی۔'' اُسے مومنہ کی آواز سنائی دی۔

''کون سی فلم؟'' نیند میں داؤد فوری طور پر اُس کی بات نہیں سمجھا۔

''الف۔'' اس بار داؤد کی نیند اُڑن چھو ہو گئی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا.....تم نے الف کہا ہے نا؟'' داؤد بستر میں اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

''ہاں الف ہی کہا ہے اگلے ایک دو دن میں قلبِ مومن کے ساتھ میری میٹنگ شیڈول کر دو۔ میں دبئی جانے سے پہلے اُس سے مل کر فلم کا دوسرا حصہ سننا چاہتی ہوں۔''

اُس نے کہا تھا اور داؤد کا جواب سنے بغیر فون رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

''فلم کا بجٹ short ہے باس۔'' ٹینا نے اعلان کرنے والے انداز میں کہتے ہوئے لیپ ٹاپ کو جیسے پیچھے دھکیلا تھا۔ وہ پچھلے دو دن سے الف کے بجٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اب اُس نے بالآخر ہتھیار ڈالنے والے انداز میں مومن کو اطلاع دے دی تھی جو اُس کے ساتھ ہی دوسرا لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا اُس بجٹ شیٹ کو دیکھ رہا تھا جس میں سے بے شمار کٹوتیاں کرتے ہوئے بھی بجٹ کم نہیں ہو رہا تھا۔

''Low-budgeted یہ فلم ہو نہیں سکتی اور High budgeted کے لئے پیسہ اکھٹا کرنا اس وقت مشکل ہے جب کوئی سپانسر ساتھ آنے کو تیار ہی نہیں۔'' ٹینا نے اُسے بتایا۔

''اگر آفس کو mortgage کر کے loan لے لیں۔'' مومن نے یک دم کہا۔ ٹینا کو لگا وہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ فلم اُس کی زندگی کا رسک تھی اور وہ بھی calculated نہیں اور اب وہ اس سے بھی بڑا رسک لینا چاہتا تھا۔

''باس یہ بے وقوفی تو کبھی نہ کریں۔ یہ فلم فلاپ ہوئی تو پچھلی فلموں سے جو کمایا ہے اس آفس کی صورت میں وہ بھی گنوا بیٹھیں گے آپ..... ہمارا کیا ہے ہم تو کہیں بھی جاب ڈھونڈ لیں گے آپ کا کیا ہو گا۔'' ٹینا نے بے حد ہمدردانہ انداز میں اُسے بے تکلفی سے مشورہ دیا تھا۔

''اگر کم سے کم بجٹ بھی کریں تو کتنا پیسہ چاہیے ہو گا؟'' مومن بڑبڑاتے ہوئے لیپ ٹاپ

پر کچھ نمبرز دیکھ رہا تھا۔

''کم سے کم سات کروڑ زیادہ سے زیادہ دس..... یہ window ہے آپ کے بجٹ کی۔''

ٹینا نے اُس کی مدد کی۔

''میری مانیں یہ رسک نہ لیں..... صنم بنائیں اُس کے لئے سارے سپانسرز سارے ایکٹرز تیار بیٹھے ہیں۔'' ٹینا کو لگا شاید یہ وہ موقع تھا جب وہ اُسے سمجھا سکتی تھی۔

''کس کے لئے بنا رہے ہیں آپ یہ فلم جو spirituality پر ہے..... کون دیکھے گا.....؟ لوگوں کو نہیں ہے دلچسپی..... مادہ پرست ہو چکے ہیں ہم سب..... ہمیں اسی دنیا کے لئے جینا اور اسی میں جینا ہے۔ جن کو روحانیت کے بارے میں کھوج ہوتی ہے وہ مسجد جاتے ہیں مدرسہ جاتے ہیں وہ سینما نہیں آئیں گے..... سینما میں وہی بکے گا جو آپ ہمیشہ سے بیچنے کے لئے مشہور ہیں۔'' ٹینا کہتی چلی گئی۔ مومن ہنس پڑا۔

''یعنی کمرشل فلمز..... آرٹ کے نام پر غلاظت۔''

ٹینا کو یقین نہیں آیا وہ لفظ اُس نے قلبِ مومن سے اپنے کام کے لئے سنے تھے۔ جب لوگ اُس کے کام کے لئے ایسے لفظ استعمال کرتے تھے تو وہ تپ جاتا تھا۔ آج وہ خود وہ الفاظ استعمال کر رہا تھا اور اُسے کوئی جھجک نہیں تھی۔

''آپ وہ ہی بنائیں جسے بنا کر آپ کو شہرت ملی ہے نام ملا ہے۔'' ٹینا اپنے لفظوں کو اس سے زیادہ بے ضرر نہیں کر سکتی تھی۔ مومن نے اُس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بنانے کو دل نہیں چاہتا۔''

''یہ جو آپ بنانے جا رہے ہیں اس پر آپ کو زیادہ سے زیادہ Rave reviews ملیں گے لیکن پہلے ہفتہ میں ہی فلم اُتر جائے گی۔'' ٹینا نے بے حد صاف گوئی سے کہا۔ مومن کے ساتھ ساتھ اُن کا کیریئر بھی الف کی وجہ سے داؤ پر لگ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ مومن کچھ کہتا داؤد دروازہ کھول کر دھڑاک سے اندر آیا تھا اور اُس نے اندر آتے ہی بلند آواز میں کہا تھا۔

''مومن بھائی مومنہ تیار ہے الف کرنے کے لئے۔'' ٹینا اور قلبِ مومن دونوں کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''مطلب وہ یہ بچے والا رول کرے گی؟'' مومن نے کچھ اٹکتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو ظاہر ہے کرے گی وہ..... ہیروئن ہی ایک ہے اس فلم میں۔'' داؤد اب پھولے

ہوئے سانس اور بے حد جوش کے عالم میں کرسی پر گرتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ کے ستارے گردش سے نکل رہے ہیں باس۔'' ٹینا چہکی تھی۔

''یا اُس کے ستارے گردش میں آ رہے ہیں۔'' مومن اب بھی بے یقینی سے بڑبڑایا تھا۔

''وہ ملنا چاہتی ہے میٹنگ کے لئے۔'' داؤد نے کہا۔

''اور میں نے کل کا ٹائم دے دیا ہے اُسے۔'' داؤد نے ساتھ ہی کہا۔

''لیکن وہ اس سٹوڈیو نہیں آنا چاہتی۔ یہاں بُری یادیں ہیں اُس کی۔ میں نے اُسے آپ کے اپارٹمنٹ بلایا ہے۔'' داؤد رُکے بغیر بولتا چلا جا رہا تھا۔

''وہ آ جائے گی اپارٹمنٹ؟'' مومن حیران ہوا۔

''ہاں اُس نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا۔'' داؤد نے جواباً کہا۔

''میں جا سکتا ہوں اُس کے گھر۔'' مومن نے یک دم کہا۔

''نہیں آپ کے اپارٹمنٹ ہی پر ملنا چاہتی ہے وہ اپنے گھر نہیں بلانا چاہتی۔'' داؤد نے کہا اور ساتھ ہی دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''برانڈز اب دوڑنے والے ہیں ہماری طرف.....مومنہ سلطان کی پہلی پاکستانی فلم الف کے لئے۔''

☆.....☆.....☆

UA BOOKS